قرآن ناطق



سُرجیت سنگھ لامبا

نشریات

قرآنِ ناطق

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

سرجیت سنگھ لانبہ

نشریات

۲۹۷ء۶۳ لانبہ، سُرجیت سنگھ
ل ان ـ ق قرآنِ ناطق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
لاہور : نشریات
۲۰۰۸ء ص ۲۰۴
ا۔ سیرت۔ سوانح
ISBN 978-969-8983-33-8

کتاب	:	قرآنِ ناطق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
مصنف	:	سُرجیت سنگھ لانبہ
اہتمام	:	نشریات، لاہور
مطبع	:	میٹرو پرنٹرز، لاہور



ثناخواں جس کا قُرآں ہے، ثنا ہے جس کی قُرآں میں
اُسی پر میرا ایماں ہے، وہی ہے میرے ایماں میں



تمنّا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں



محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذاتِ گرامی

تمدّنی بُحران کی تاریکیوں کا

سینہ چیرتی ہوئی

محسنِ انسانیت

اور

قُرآنِ ناطق

بن کر ۵۷۱ عیسوی میں اس دنیا میں

تشریف لائی

اور پوری کائنات کو

اللہ جل جلالہٗ کے

نُور

اور

ایمان کی روشنی

سے منوّر کردیا۔

فہرست

اِنتساب

فاران کی اُس چوٹی کے

نام

جس پر نازل ہونے والی تجلّی

نے

انسان کو اس کے اصلی مقام سے روشناس کیا

اور

کائنات کے ہر گوشے کو منوّر کر دیا۔

ہدیہ تشکر

میرے لیئے یہ سعادت کی بات ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے لیے میرے دونوں بیٹوں پرم جیت سنگھ لانبہ اور بلجیت سنگھ لانبہ نے مجھے مالی تعاون دیا اور میری شریکِ حیات رجگیت کور لانبہ نے بھی دل و جان سے میری حوصلہ افزائی کی۔اس لئے میں خاص طور پر ان کا شکر گذار ہوں۔

اس کتاب کی اشاعت سے میری مالی اغراض ہرگز وابستہ نہیں بلکہ میں اس رب العالمین کا دل کی گہرائیوں سے احسان مند ہوں اور شکر بجا لاتا ہوں جس نے محسنِ انسانیت کو پیدا فرما کر سعادت مند انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا، اُن کے دلوں میں آپسی بھائی چارگی پیدا کی اور دنیا میں امن و انصاف کا بول بالا کرنے کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔

آج نفرت و تباہی پر کھڑی انسانیت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، میری کئی سالوں کی محنت، جہدِ مسلسل اور محبت کا ثمرہ ہے۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقینِ کامل ہے کہ پھولوں کے اس گلدستہ کے مطالعے سے انسانیت کے قلوب نُورِ ایمان کی شمع سے منوّر ہو جائیں گے۔

قارئین دعا فرمائیں کہ عقیدت کے یہ پھُول، جو عیدِ میلاد النبیؐ کے مقدس موقع

پر ''قرآنِ ناطق'' کی شکل میں پیش کیے گئے ہیں، بارگاہِ رسالتؐ میں قبول ہوں اور میں اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے وابستہ کر کے ہمیشہ کے لیے سربلند ہو جاؤں۔

قدموں سے پھوٹتی ہے چمک ماہتاب کی
دہلیز پر کھڑا ہوں رسالتمآبؐ کی

اُمید کرتا ہوں کہ آپ یہ گلہائے عقیدت، جو ''قرآنِ ناطق'' کی شکل میں پیش کیے گئے ہیں، قبول فرمائیں گے۔

اس کتاب کے مطالعے سے اگر ایک شخص بھی اپنے قلب کو نُورِ ایمان کی شمع سے منّور کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے اور انسانوں کے قلوب حضورؐ کے پیغامِ محبت سے روشن کر دیتا ہے تو یقیناً ''قرآنِ ناطِق'' لکھنے کا میرا مقصد حل ہو جاتا ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے محسنین مولانا وحید الدین خاں، جناب سید حامد، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ڈاکٹر حسن الدین احمد، جناب اطہر صدیقی، ڈاکٹر اختر الواسع، جناب عتیق مظفر پوری اور جناب سید محمد اختر کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے ''قرآنِ ناطق'' کے سلسلے میں میری رہنمائی فرمائی۔

خادمِ رسولؐ

سُرجیت سنگھ لانبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المرکز الاسلامی

THE ISLAMIC CENTRE
C-29, Nizamuddin West, New Delhi-110 013
Tel: 24611128 Fax: 24697333
Maulana Wahiduddin Khan
President - Islamic Centre, New Delhi

برادرِ محترم جناب سُر جیت سنگھ لانبہ سے میں تقریباً ۳۰ سال سے واقف ہوں۔ وہ ایک سچے انسان دوست آدمی ہیں۔ ان کی ایک خاص امتیازی صفت یہ ہے کہ انھیں خدا کا ہر پھول، پھول دکھائی دیتا ہے خواہ وہ ان کے اپنے گلدستہ میں ہو یا کسی اور کے گلدستہ میں۔ وہ ہر درخت کی ہریالی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں خواہ وہ ان کے اپنے باغ میں ہو یا کسی دوسرے کے باغ میں۔

ان کے اسی آفاقی ذہن کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے قدرداں ہیں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے سب سے بڑے محبوب کا ذکر کرے۔ وہ پورے معنوں میں عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان کے اس جذبہ کا مظہر ان کی کتاب ''قرآنِ ناطق'' ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ ناطق کہنا عین وہی بات ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح فرمائی تھیں۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ ! مجھے اُمید ہے کہ جناب سُر جیت سنگھ لانبہ کی یہ کتاب سیرت کے وسیع کتب خانہ میں ایک قیمتی اضافہ ثابت ہوگی۔

(مولانا) وحیدالدین خاں
۱۵/اپریل ۲۰۰۴ء

DAR-UL-QALAM 
Address: Darul Qalam, 66/92, Qadri Masjid Road,
Zafar Nagar, New Delhi-110025 (India)
☎ (011)6326772,3264524



دارالقلم (دہلی)
دارالقلم ۹۲/۶۶، قادری مسجد روڈ، ظفر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ (انڈیا)
فون نمبر: ۶۳۲۶۷۷۲، ۳۲۶۴۵۲۴

Ref. No.................... Date.......................

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''قرآنِ ناطق'' کے نام سے ایک اُردو کتاب کا مسودہ میری نظر سے گزرا جس میں رسولِ کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک بڑی شیفتگی کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زبان سلیس وسادہ اور عام فہم ہے۔ پڑھ کر قلب وروح کو انبساط وانشراح کی کیفیت محسوس ہوئی۔ مصنفِ کتاب ہیں جناب سُرجیت سنگھ لانبہ۔

کتاب پڑھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ کسی غیر مسلم کے قلم کا یہ شاہکار ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت ہے کہ وہ جسے چاہے اس کی زبان وقلم سے اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی سعادت عطا فرمائے۔

جناب لانبہ صاحب ایک علم دوست اور انسان دوست آدمی ہیں۔ امن وسلامتی کا پیغام عام کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں اور ان کا حلقۂ

تعارف و دائرۂ احباب کافی وسیع ہے۔ اسلام کا انھوں نے مطالعہ کیا ہے اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنِ عقیدت کا وہ ہر جگہ بڑی کشادہ دلی کے ساتھ اظہار کرتے رہتے ہیں۔

میں اس کتاب کو پڑھ کر ان سے کافی متاثر ہوا۔ میرا مشورہ ہے کہ وہ اسے متعدد بین الاقوامی زبانوں میں بھی منتقل کر کے ان کی اشاعت کریں تا کہ ان کی یہ کاوش اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے عالمگیر حیثیت کی حامل بن جائے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

یٰسین اختر مصباحی
بانی و مہتمم دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵
۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء

REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF INDIA R No - 6625/97-DL-12101/97 - 98

दिल्ली (हिन्दी साप्ताहिक)

3546993
7521842

Post Box No. 1568, Delhi-6.

समूह
शक्ति

सम्पादक :
एम. अतहर सिद्दीक़ी

غالبؔ نے بارگاہِ رسالتمآبؐ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

غالبؔ! ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گذاشتیم

کاں ذاتِ پاک، مرتبہ دانِ محمدؐ است

اس نعتیہ شعر میں غالبؔ نے ایک ایسی ابدی حقیقت کا اظہار کیا ہے جو تخلیقِ آدم سے پہلے لوحِ ازل پر مُرتسم ہو چکی تھی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی سرزمین پر معرضِ وجود میں تشریف لائے لیکن آپ کے 'رحمۃ للعالمین' ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اسلام کے جس پودہ کی بنیاد عرب کے ریگ زار میں رکھی اُس نے بہت جلد دنیائے عرب سے نکل کر ایک ''دعوت'' کی صورت میں مصر، شام، عراق، اسپین، ایران، اندلس، یورپ اور تمام اطرافِ عالم میں اپنے فاتحانہ قدم جمائے اور اپنی ہمہ گیری کا اعلان کیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت انسانیت کی معراج تھے۔ آپ نے اپنے حسنِ سلوک سے ذہنِ انسانی پر اتنے گہرے نقوش چھوڑے کہ صدیوں پر پھیلے ہوئے انسانی تاریخ کے اوراق ایسی کوئی دوسری تمثیل پیش نہیں کر سکتے۔

جس وقت آپ نے حضرت بلالؓ کو خانۂ کعبہ کی چھت سے اذان دینے کے

لیے فرمایا وہ بظاہر ایک واقعہ تھا لیکن اُس واقعہ نے تاریخِ عالم میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ دنیا نے دیکھا کہ اسلام - مساوات، اخوت، ہمدردی، رواداری اور انسانیت نوازی کا مذہب ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی گرویدگی کا ایک خوبصورت ماحول پیدا ہوا۔ ان گنت دائرے ایک وسیع دائرہ میں ضم ہوتے گئے۔ ایک اجتہادی تنظیم اُبھری جس نے عظمتِ ربانی کے سامنے باطل کی قوت کو سرنگوں کر دیا۔

تاجدارِ حرم، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس متابعتِ ایزدی کا آئینہ تھی۔ آپ کا ہر عمل قرآنِ پاک کی حکمت کا مکمل ترجمان تھا۔ اسی لیے آپ کو ''قُرآنِ ناطق'' کہا جاتا ہے۔

آپ کا ذکر ہمارے ایمان کا جزو ہے اور ہمارے لیے نجاتِ اُخروی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لیکن جس طرح پھول کی خوشبو اور دریا کی موج کی کوئی سمت متعین نہیں، اسی طرح رسولِ اکرم کا ذکر بھی کسی ایک گوشہ سے مختص نہیں، کوئی بھی اُس بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کر سکتا ہے۔

میرے دیرینہ رفیق سُرجیت سنگھ لانبہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے سیرتِ نبوی کے موضوع کو اپنی جستجو کا عنوان بنایا۔ میں اسے سیرتِ نبوی کا اعجاز سمجھتا ہوں کہ ''قُرآنِ ناطق'' جیسی عظیم تصنیف کے لیے سُرجیت سنگھ لانبہ کا انتخاب کیا گیا۔

تقریباً تیس سال سے لانبہ صاحب مجھ سے اور میں لانبہ صاحب سے متعارف ہیں۔ میں نے اُن کی ادبی اور ذہنی جستجو کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ایک شریف اور سادہ نفس انسان ہیں۔ اُن کی نگاہ میں سب اُن کے ہیں اور وہ سب کے ہیں۔ ایک عرصہ تک وہ وزارتِ قانون سے وابستہ رہے لیکن اُس خشک ماحول میں بھی اُن کا علمی ذوق وشوق سرگرمِ عمل رہا۔

اُن کی تصنیف ''قُرآنِ ناطق'' کے بارے میں یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ؎

اُنھیں کا کام ہے یہ، جن کے حوصلے ہیں زیاد

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے ''قُرآنِ ناطق'' کا سلسلہ وار مطالعہ نہیں کرسکا لیکن میں شدت سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ لانبہ صاحب کے ذہن میں ''عشقِ محمدیؐ'' کا یہ جذبہ اُس وقت بیدار ہوا جب وہ ''تلاشِ اقبالؒ'' میں محوِ سفر تھے۔ اس لیے لانبہ کا عشقِ رسولؐ در اصل ''اقبالیات'' کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ وہ رسولِ پاک کے اتنے دلدادہ ہیں کہ جب کہیں ذکرِ رسول ہوتا ہے تو اُن کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو چمکنے لگتے ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اُن کی پیشکش ''قُرآنِ ناطق'' ہم سب کی نجات کا سبب بنے۔

خدا اُن کو عمر، صحت اور تندرستی عطا کرے تا کہ وہ ایسے ہمہ گیر موضوعات پر زیادہ سے زیادہ قیمتی کاوشیں پیش کرسکیں۔

اطہر صدیقی

۲۸ر جنوری ۲۰۰۴ء

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES

شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵۔۱۱



Phone 6831717 (Extn 351)

JAMIA MILLIA ISLAMIA

Jamia Nagar New Delhi - 110 025

PROFESSOR & HEAD

جناب سُرجیت سنگھ لانبہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ یہ نعمت ان کے لیے نسبی نہیں بلکہ اکتسابی ہے اس لیے اور بھی زیادہ قابلِ قدر ہے۔

لانبہ صاحب کی زیرِ نظر کتاب ''قرآنِ ناطق'' اِن کی اُن تقریروں پر مشتمل ہے جو انھوں نے برِ صغیر ہندو پاک کے مختلف شہروں کے بڑے بڑے اجتماعاتِ سیرت میں کی تھیں اور اب امریکہ میں مقیم اپنے بیٹوں کی فرمائش پر انھیں عامتہ الناس کے لیے شائع کر رہے ہیں۔

لانبہ صاحب کی ان تقریروں میں آورد نہیں بلکہ آمد ہے اور یہ آمد اس سچے عشق کی برکت ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اس میں الفاظ سے زیادہ جذبے کی اہمیت ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب ان سب میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گی جو حق تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے وابستگی کو دنیا و آخرت میں فلاح و نجات کا ضامن سمجھتے ہیں۔

اختر الواسع

۲۰ / جنوری ۲۰۰۴ء

SAIYID HAMID, *IAS (Retd.)*
Former Vice-Chancellor
Aligarh Muslim University
Chancellor, Jamia Hamdard
Secretary, Hamdard Education Society

Phones : Off. : 608 8849, 608 5063, 608 5067
Res : 608 9072, 608 6836

TALIMABAD, SANGAM VIHAR
NEW DELHI - 110 062

تعارف

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ سُر جیت سنگھ لانبہ صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی گرانقدر کتاب کا مقدمہ لکھنے کے لیے مجھے منتخب کیا۔ آگے چلنے سے پہلے میں یہ بات، جس کا ذکر میں لانبہ صاحب سے پہلے کر چکا ہوں، دہراؤں گا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کیفیت لانبہ صاحب کے یہاں پائی جاتی ہے وہ ان لوگوں کے لیے قابل رشک ہے جنہیں اسلام ورثہ میں ملا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انھیں پیدائشی حق کے طور پر ملی۔ لہٰذا ان کی کوشش کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس بنا پر عشقِ رسولؐ کے لیے ہم ان کی ستائش نہیں کر سکتے۔ آفریں ہے اس کتاب کے مصنف پر جسے ورثہ میں ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے رسولِ اکرمؐ سے مغایرت ملی، فاصلہ ملا اور انھوں نے اپنی کوشش سے اس فاصلہ کو مٹایا، اس مغایرت کو دُور کیا۔

قطع نظر اس سے کہ

این سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان عشقِ رسولؐ کی سعادت اپنے قوّتِ بازو سے حاصل نہیں کرسکتا۔ توفیقِ ایزدی کا شاملِ حال ہونا بہر حال ضروری ہے۔ لیکن یہاں بھی جدوجہد شرط ہے۔ فاضل مصنف نے اس جدوجہد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ گذشتہ پچیس تیس سال سے میری ظاہر بیں آنکھیں لایق مصنف کو عشقِ رسول کے مراحل طے کرتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر نے اس امر کا اظہار کئی بار کیا کہ انھوں نے اسلام کو اقبال کے کلام کی مدد سے سمجھا۔ نہ صرف انھوں نے بلکہ ان لاکھوں کروڑوں بے چہرہ لوگوں نے بھی جو غیر منقسم اور منقسم ہندوستان میں گذشتہ ۸۰ سال کے عرصے میں پیدا ہوئے۔

اقبال خود عشقِ محمدیؐ میں سرشار تھے ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کردے

سُرجیت سنگھ لانبہ نے بھی عشقِ رسولؐ کے مراحل اقبال کی رہنمائی میں طے کیے۔ راقم سطور کی رسائی مصنف تک ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' سے ہوئی۔ اقبال کی ان نظموں کے ساتھ ان کی وابستگی نے پہلے تو انھیں ان نظموں کو ازبر کرنے اور والہانہ انداز میں محفلوں میں سنانے پر آمادہ کیا۔ ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' ہی

زینہ بن گئے مصنف کے لیے فہم اسلام اور عشقِ رسولؐ اللہ کا۔
اپنی ایک نظم میں اقبال باری تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پروردگار مجھ پر رحم فرما، میں گناہ گار ہوں، سیہ کار ہوں چاہے جزا دے چاہے سزا، مگر میرے اعمال کا حساب مجھ سے نہ مانگ۔ کسی دوسرے شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا تھا۔

تیری مرضی ہے جہاں بھیج دے اے داورِ حشر
مجھ سے دہرائی نہ جائیں گی خطائیں میری

اقبال کا عشقِ رسول خشیتِ رب سے بازی لے گیا۔ وہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے:

دَر حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے ربّ العزت اگر تیری مشیت استثنیٰ کی اجازت نہیں دیتی اور تیرا اصرار ہے کہ روزِ محشر میرا نامۂ اعمال کھولا جائے اور گناہوں کے لیے مجھ سے مواخذہ کیا جائے تو اتنی تو میری بات کی اور میری لاج رکھ لے کہ اپنے حبیب پاک کے اس گناہ گار اُمتی کو اپنے ہادی، اپنے محسن اور اپنے آقا کے سامنے شرمندہ نہ کر۔ اتنا تو پردہ رکھ لے مولا! کہ میرے اعمال کی رُوداد اور میرے حساب کا دفتر حضورؐ کے سامنے نہ کھول۔ یہ شعر پڑھ کر کس کی آنکھیں نم نہ ہوں گی۔
مصنف نے عشقِ رسولؐ میں خود کو غرق کرلیا ہے۔ دیکھئے وہ کیا لکھتا ہے:

"آج جب ہم قُرآن پاک کی تلاوت اور احادیث کا ذکر

کرتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہمیں محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی مقدس زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔"

زیرِ نظر کتاب سیرت کی دوسری کتابوں سے بہت مختلف ہے۔ اس میں عشق کا مجذوبانہ انداز ایک طرف، حوادثِ حیات دوسری جانب اور اسلام کا انقلاب آفریں پیغام تیسری طرف، ان سب پر مستزاد قرآن وسنت کی تشریح اور ان پر تبصرہ، یہ سب شانہ بہ شانہ رواں دواں نظر آتے ہیں۔ اقبال کے اشعار اور حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کے ابیات اس جذباتی تموج اور اس طغیانِ محبت میں اضافہ کرتے ہیں جو مصنف کا سرمایۂ حیات ہے اور قارئین کے لیے سرچشمۂ بصیرت۔

مصنف نے احادیث کا انتخاب بڑے سلیقہ اور ادراک کے ساتھ کیا ہے جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے آفاقی ہیں اور جو دلوں کو جوڑتی ہیں۔ کیونکہ بقول رومی:

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

یہ جانتے ہوئے بھی کہ سُرجیت سنگھ لانبہ عشقِ رسولؐ میں سرشار ہیں اور ان کا یہ جذبہ خارجی مقاصد سے بالاتر ہے' راقم سطور یہ کہنا چاہے گا کہ یہ جذبہ اور اس کے اسالیب اظہار فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں معاون ہوں گے۔ نہ صرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خیر اندیشی میں بلکہ ایک عنوان بالآخر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی باہم شگفتگی میں بھی۔ لانبہ صاحب کئی بار پاکستان گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کی رو میں، لیکن ان کی ایک اور حیثیت بھی تھی۔

وہ دونوں ہمسایوں کے درمیان خیر سگالی اور خیر اندیشی کے سفیر بن کر بھی گئے۔ پاکستان والوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا، سر آنکھوں پر بٹھایا۔ ہر چند کہ یہ لانبہ صاحب کا مقصود نہ تھا لیکن وہ اس شاہانہ پذیرائی کے مستحق ضرور تھے۔ یہ بات بھی ہندوستان میں بسنے والے عقیدت مندانِ اقبال کے لیے طمانیت کا باعث ہے کہ جسٹس جاوید اقبال نے بھی اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ان کا خیر مقدم اس جذبہ کے شایانِ شان کیا جس میں وہ (فاضل مصنف) ہم سب کے شریک بھی ہیں اور ہم سب میں ممتاز اور منفرد بھی۔

لانبہ صاحب جب پاکستان سے واپس لوٹے تو وہاں کے مشہور و معروف شاعر جناب ناصرؔ زیدی نے لانبہ صاحب کو اس شعر سے نوازا ؎

وہ جب ملا تو دلوں میں کوئی طلب ہی نہ تھی
بچھڑ گیا تو ہماری ضرورتیں تھیں بہت

۲۰۰۰ء میں عیدِ میلاد النبیؐ کے موقع پر لانبہ صاحب کو نیو یارک (امریکہ) کی مشہور مسجد "مسجدِ خضریٰ" میں بھی سیرتِ پاک پر تقریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جسے اہلِ اسلام، جو امریکہ میں مقیم ہیں، نے بے حد پسند کیا۔

فاضل مصنف نے صمیم قلب کے ساتھ کہا ہے کہ وہ اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُتنی ہی عزت اور عقیدت رکھتے ہیں جتنی محترم و مخدوم بابا گرونانک جی اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں سے۔ یہ عزت اور یہ عقیدت اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کا ثمرہ ہے۔ یہ

بات بے مفہوم نہیں کہ فاضل مصنف نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل میں پہلی ترجیح توحید کو دی ہے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

یہ بات کہ آنحضرت رحمۃ للعالمین ہیں، رحمۃ للمسلمین ہی نہیں ہیں، بار بار کہی گئی ہے۔ لیکن بہت کم اس طرح صمیم قلب سے اور وثوق کے ساتھ جیسے سُرجیت سنگھ لانبہ نے شرح وبسط اور جوشِ عقیدت کے ساتھ اسے کہا ہے۔ غور کیجیے تو یہ ایک پُرزور اور موثّر احتجاج ہے اس رجحان کے خلاف جس نے اسلام کو پسپائی، کنارہ کشی، عافیت پسندی، تن آسانی اور اختصار طلبی پر آمادہ کر دیا ہے اور اس کے تحت مسلمان دعوت کے فریضہ سے غافل ہو گئے ہیں۔ انھیں جو کچھ ملا ہے اُسے بانٹنے کے بجائے اُسے چھپا کر بیٹھ گئے ہیں۔

جن شعراء نے اسلام کے موضوع پر طبع آزمائی کی ہے ان میں سے مصنف نے حالی، اقبال اور حفیظ جالندھری کو موردِ التفات بنایا ہے جس سے وہ برِ صغیر میں محفلوں کو مسحور و مبہوت کرتے رہے ہیں۔ راقم چاہتا ہے کہ ہمارے بچے اس کتاب کو، جو باوصفِ عقیدت صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھی گئی ہے، پڑھ کر اپنے دینی اور ثقافتی ورثہ سے واقف ہو جائیں جس سے فی زمانہ گھر کے ماحول نے ان میں سے بہتوں کو بے بہرہ کر رکھا ہے۔ اچھا ہو اگر یہ کتاب ناگری رسم خط میں بھی (فرہنگ کے ساتھ) شائع کی جائے۔

راقم سطور نے لانبہ صاحب کو اُس وقت دیکھا جب وہ غیر معروف تھے اور ان کی شخصیت کے اس پہلو سے، جس نے انھیں جستجو، عقیدت اور محبت کی راہ پر ڈال دیا، دنیا ناواقف تھی۔ اُس نے ان کا سراغ برابر رکھا۔ وہ انھیں اِس وقت بھی دیکھ رہا ہے جب بفضلہٖ تعالیٰ وہ اعتراف پذیرائی، امتیاز اور شہرت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ شکر ہے پاک پروردگار کا کہ اس طویل عرصہ کے دوران لانبہ صاحب کے رُخ اور روش میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اکتسابات و امتیازات انھیں خاکساری کی شاہراہ سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ لانبہ صاحب کی شخصیت اُن کے کھرے انسان ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ ان کی بات بات سے انسان دوستی کی خوشبو آتی ہے۔ ایسے مخلص لوگ مغتنمات میں گنے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔

سید حامد

۲۸؍جنوری ۲۰۰۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نذرانۂ عقیدت

قُرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ میں ایک انسان ہوں اور اس فخرِ انسانیت کا تہِ دل سے احترام کرتا ہوں جو آفتابِ ہدایت بن کر فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور جس کی روشنی سے یہ کائنات جگمگا اٹھی۔ برِصغیر بھی اس روشنی سے محروم نہیں رہا اور یہاں بھی دینِ برحق کے داعیوں نے اپنی بساطِ درویشی آراستہ کی اور وہ پیغام جو ایک نبیِ امّی نے دیا تھا اُس کو نفس نفس پہنچا کر انسانیت کو سکون عطا فرمایا۔ میں بھی اس پیغام سے روشناس ہوں اور اپنے دل میں حضورؐ کی اتنی ہی عزت اور عقیدت رکھتا ہوں جتنی عزت اور عقیدت میرے دل میں بابا نانک صاحب اوردوسرے مذاہب کے بزرگوں کے لئے موجود ہے۔ یہ بات میرے لئے باعثِ فخر ہے کہ میں عیدِ میلادالنبیؐ کے موقعے اوردوسرے موقعوں پر ہند و پاک اور امریکہ کے مختلف شہروں میں سیرتِ پاک پر تقاریر کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا رہا ہوں۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت ہمارے خراجِ عقیدت کی ہرگز محتاج نہیں۔ میں تو صرف آپؐ کی

ذات کے ساتھ اپنی جذباتی وابستگی، اپنی محبت، اپنے خُلوص اور اپنی عقیدت کے پھُول پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی بلندیوں کا تصوّر کرنا انسان کے شعُور سے بالا تر ہے۔ آپؐ کی ذات وہ ذاتِ گرامی ہے جہاں فرشتے بھی ادب سے سر جھکاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی مقدّس بارگاہ ہے کہ عرش کی بلندی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہ راستہ ایک تیز تلوار کی مانند ہے۔ یہاں قلم اور زبان کا واسطہ تلوار کی دھار سے ہے۔ شاید اسی لیے کہا گیا ہے:

با خُدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

آیئے! آفتابِ رسالتؐ کے ذکرِ جمیل سے اپنے دلوں کو پاکیزہ اور منوّر کریں جس کی تعریف و توصیف خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمائی، جس کی ذاتِ مقدسہ سے والہانہ محبت اور عقیدت ہم سب کا ایمان اور جس کا اسمِ گرامی زبان پر لانے سے قبل باوضُو ہونا محبت کا تقاضہ ہے۔

آنکھوں کے اشک دھوئیں گے دل کے غُبار کو
پہلے وضُو کروں، تو محمدؐ کا نام لُوں

حضورؐ کی شخصیت

رحمتِ کائنات، فخرِ موجودات، پیکرِ نُور، آفتابِ حق، جسمِ مزکّیٰ، روحِ مُصفّٰی، قلبِ مجلّٰی، نُورِ مُبین، حُسنِ سراپا، خیرِ مجسم، سرورِ کائنات، فخرِ دوعالم، علمِ لدّنی، شانِ کریمی، خُلقِ خلیلی، نُطقِ کلیمی، زُہدِ مسیحا، عفتِ مریم حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم، الہام جن کا جامہ، قُرآن جن کا عمامہ، رُتبہ جن کا خیر البشر، خُطبہ آوازِ حق، جو آفتابِ غار بھی، پرچمِ یلغار بھی، عجزو وفا بھی پیار بھی، شہ زور بھی سالار بھی، قُربِ الٰہی جن کا گھر، الفقر فخری جن کا وظیفہ، خوشبو جن کی جُوئے کرم، آنکھیں جن کی بابِ حرم، منبر جن کا عرشِ بریں، آفاق جن کے سامعین، نُورِ ازل جن کی جبیں، لقب جن کا رحمۃ للعالمین۔ ذاتِ بابرکات رحمت، شفقت، تواضع، انکساری، شجاعت، کرم، حیا، شرم، صبر، صدق، خلُوص، محبت، امانت، دیانت، عصمت، عفت اورحسنِ اخلاق کا مجموعہ اور نمونہ تھی۔ اللہ تعالی نے قُرآنِ پاک میں آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کو خلقِ عظیم اور آپؐ کی ذات کو رحمۃ للعالمین کے القاب سے نوازا ہے۔ آپؐ کا وجود برکت وسعادت کا وہ سرچشمہ ہے جس پر خُود قُرآن نازل فرمانے والے نے بھی سلام و رحمت بھیجا ہے۔ آپؐ محسنِ کائنات بھی ہیں اور پیغمبرِ اسلام بھی۔

شیخ سعدیؒ کا معروف و مشہور عربی قطعہ درحقیقت ایک ازلی اور ابدی

حقیقت کا آئینہ دار ہے ۔

بَلَغَ الْعُلیٰ ، بِکَمَالِہٖ، کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ، صَلُّوْاعَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

ترجمہ: بلندی نے آپؐ کے کمال سے نشوونما پائی۔ آپؐ کے حُسن سے تاریکی چھٹ گئی۔ آپؐ کی عادتیں اور خصلتیں پسندیدہ ہیں ۔ درود بھیجو آپؐ پر اور آپؐ کی اولاد پر۔

مولانا الطاف حسین حالؔی فرماتے ہیں ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

اسلام کیا ہے

اسلام ایک لفظ میں توحید کا نام ہے۔ اور توحید کیا ہے؟ '' لَآاِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔'' اسلام سلامتی اور امن کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام

دامن سمیٹنے کا نام نہیں بلکہ دامن وسیع کرنے کا نام ہے۔ اس طرح کہ کائنات اور کائنات کی تمام موجودات اس میں سما جائیں، اس کے سایۂ عاطفت میں آ جائیں۔ اسلام محبت کی جہانبانی اور رحمت کی بے کرانی چاہتا ہے۔ اسلام اخوّت کی جہانگیری اور مرّوت کی فراوانی کا طالب ہے۔ عشقِ محمدیؐ میں فنا ہونے اور نُورِ محمدیؐ کو اپنے اندر سمو لینے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام کی خدمت کا اجارہ دار کوئی ایک شخص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے اسلام کی خدمت کا کام لے لیتا ہے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''بے شک! اللہ خلوصِ دل سے اسلام کی خدمت کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا''۔

اسلام سے مراد خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ یہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں اور نہ ہی کسی ایک قوم کی طرف منسُوب ہے۔ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی دور ایسا نہیں جس میں خدا کی طرف سے اُس کے پیغمبر نہ آئے ہوں اور جن لوگوں میں پیغمبرانہ صفات پائی گئی ہیں اُن سب کا دین ایک ہی تھا جس کو ہم اپنی زبان میں اسلام کہتے ہیں۔

اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر کے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کا نام اسلام ہے۔ اسلام کسی گروہ، جماعت یا قوم کی میراث نہیں بلکہ اُن تمام پیغمبروں

اور مصلحوں کا مذہب ہے جو وقتاً فوقتاً انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دُنیا میں بھیجے گئے۔ اسلام ہوا، پانی اور روشنی کی طرح انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے۔ اس پر جتنا حق مسلمانوں کا ہے اُتنا ہی غیر مسلموں کا بھی ہے۔ حضوؐر کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح قُرآنِ پاک کی تعلیمات بھی کسی ایک قوم کے لئے مختص نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہدایات کا سرچشمہ ہیں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک غیر مسلم اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ؎

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن اُس کی جاگیر نہیں بن جاتا۔ مغرب والوں کا بھی اُس کی تابانی اور اُس کے جلووٗں پر اتنا ہی حق ہے جتنا مشرق والوں کا۔ آفتاب سب کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح بارش کی بوندیں صرف ہندوؤں یا مسلمانوں کے کھیت کو ہی نہیں بلکہ پوری زمین کو سیراب کرتی ہیں۔

اسلام کا مشن

اسلام کا مشن اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ پچھلے زمانوں کے تمام نبیوں کا مشن بھی یہی تھا۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے توحید کی دعوت دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ پیغامِ توحید دینے والوں کو آروں سے چیر دیا جاتا یا زندہ آگ میں ڈال دیا جاتا۔ وقت کے حاکم اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد کہہ کر عوام پر حکومت کرتے اور خدائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب توحید کا داعی یہ کہتا کہ خدا ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور باقی دُنیا کی تمام موجودات اس کی مخلوق اور محکُوم ہیں، تب ان بادشاہوں کو یہ محسوس ہوتا کہ وہ اُن کی حکمرانی کو چیلنج کر رہا ہے اور وہ توحید کے داعی کے دشمن بن جاتے اور اُن کو قتل کرا دیتے یا زندہ جلا دیتے۔ ان حالات میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے جن کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی اور انصاف کی دعوت دے کر ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کی رُوح تشدّد کی رُوح نہ تھی بلکہ رُوحِ محبت تھی، دعوتِ خیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ظلم و تشدّد کی ایک بھی مثال

نہیں ملتی ۔آپؐ نے اس دعوتِ اسلامی سے انسانوں کو جہالت اور تیرگی کے ناپاک ماحول سے نکال کر اُن کے قلوب کو نہ صرف روشنی عطا کی بلکہ اُن کے ضمیر منقلب کر کے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

پروردگار نے یہ انتظام بھی کیا کہ جو پیغامِ ہدایت آپؐ پر خلقِ خُدا کی رہبری کے لیے نازل ہوا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہے اوراس میں کسی تحریف یا ردّ وبدل کاامکان باقی نہ ہو۔قرآن مجیداس کی واضح دلیل ہے۔

جن کی عظیم شخصیت پر ہزاروں نعتیں پیش کی گئیں ،جن کی ذاتِ مقدّس پر لاکھوں سلام پیش کیے گئے،جن کی ذاتِ پاک پر کروڑوں دُرود پیش کیے گئے اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ جن کی ذاتِ گرامی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قُرآنِ پاک کا نزُول ہوا اُن کی شان میں ہماری ناتواں زبان کہہ ہی کیا سکتی ہے؟ اس کے باوجود فرطِ محبت میں یہ ناچیز عقیدت کے چند پھُول نذر کرتا ہے۔ قارئین کرام دُعا فرمائیں کہ یہ نذرانہ بارگاہِ رسالتؐ میں قبول ہو۔ ورنہ کس میں طاقت ہے کہ خلاصۂ کائنات کی مدح سرائی اور سیرت نگاری کا حق ادا کرے۔ یہ غلط دعویٰ نہ کسی زبان سے نکل کر فضا میں پھیلا اور نہ ہی کسی قلم نے اسے صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔ اس

بارگاہِ اقدس میں جس نے بھی لب کشائی کی اُس کا مقصد حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

میری التجا ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعے سے اسلام کی روح کو سمجھیں، اس پر عمل کریں اور اپنے قلوب کو اُس شمعِ محبت سے منوّر کریں جو چودہ سو سال قبل حضورؐ نے روشن کی، انسانیت کو خیر سگالی کا پیغام دیا اور اپنے مسلک کے بارے میں اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا:

''محبت میری بنیاد ہے''۔

سُرجیت سنگھ لانبہ

حضورؐ کی بعثت سے قبل کے حالات

سیرتِ نبویؐ اصل میں اللہ تعالیٰ کے اُس پیغام کا عملی پَرتو ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوعِ انسان کے سامنے پیش کیا اور وحدانیت کے منکر اور کفر و ظلمت میں گھرے ہوئے گمراہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف مائل کر دیا تھا۔ سیرتِؐ پاک کی تصویر کشی کے لیے ضروری ہے کہ پیغامِ ربانی کے نزول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل کے حالات کا جائزہ لیا جائے، ورنہ ناانصافی ہوگی۔

'عرب' کے لغوی معنی ہیں صحرا۔ سبزہ سے محرُوم زمین۔ پرانے زمانے میں یہ لفظ اس خطے میں بسنے والے لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ بیرونی طور پر یہ خطہ کئی برِاعظموں کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے یہ خطہ جُڑا ہوا ہے۔ اس کا شمالی اور مغربی حصہ برِ اعظم افریقہ میں داخل ہونے کا راستہ دیتا ہے۔ مشرقی حصہ ایران، پاکستان، ہندوستان اور وسط ایشیا کا راستہ کھولتا ہے۔ اسی طرح برِ اعظم کے آبی راستے بھی اس خطے سے جُڑے ہوئے ہیں اور یہاں تجارتی اور دیگر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں

اپنے محلِ وقُوع کی وجہ سے اس خطے کے شمالی اور جنوبی حصے مختلف اقوام کی آماجگاہ اور تجارت کا مرکز رہ چکے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے حالات کا تذکرہ اگر نہ کیا جائے تو سیرتِ پاک کا تذکرہ تشنہ رہ جائے گا۔ اس لیے ان پر گفتگو اور وہاں کی حکومتوں، سرداروں، مذاہب اور طریقِ عبادت کا مختصر خاکہ پیش کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے تاکہ ظہورِ اسلام سے قبل کے حالات بہ آسانی قاری کی سمجھ میں آجائیں۔ اُس وقت وہاں دو قسم کے حکمران تھے۔

اوّل۔ تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد اور خود مختار نہ تھے۔

دوم۔ قبائلی سردار جنہیں اختیارات و امتیازات کی وجہ سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کو حاصل تھی۔ لیکن ان کی اکثریت کو ایک خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ مکمل طور پر خود مختار اور آزاد تھے۔

خطۂ عرب کے عام باشندے حضرت اسماعیل علیہ السلام، یعنی ''دینِ ابراہیمیؑ'' کے پیرو تھے۔ باری تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کاربند تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے خُدائی تعلیمات کا بیشتر حصہ بھُلا دیا اور اُن عادات و اطوار سے دُور ہوتے گئے جن کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے اُنہیں تلقین کی تھی۔ وہ بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

ذیل میں ہم دورِ جاہلیت میں رائج چند رسُوم کا ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ دورِ جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس بیٹھ کر اُن کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔اُنہیں زور زور سے پُکارتے اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے اُن سے التجائیں اور فریاد کرتے تھے۔

۲۔ بتوں کے آگے حج وطواف اور جانوروں کو بتوں کے آستانوں پر لے جا کر قربان کرتے تھے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

[وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (سورۂ مائدہ، ۳) ترجمہ: "وہ جانور بھی حرام ہیں جو (بتوں کے) آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوں"]۔

دُوسری جگہ کلامِ پاک میں ارشاد ہے:

[وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (سورۂ انعام، ۱۲۱)

ترجمہ: "اُس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو"]۔

۳۔ بتوں سے اپنی قربت کا اظہار مشرکین اس طور پر بھی کرتے تھے کہ اپنے کھانے پینے کی چیزیں، کھیت کے اناج اور جانوروں کی پیداوار کا ایک طے شدہ حصہ، یہ سوچ کر کہ ان کا خُدا بتوں میں سمایا ہوا ہے، اس کے تصرف کے لیے مخصُوص کر دیتے تھے۔ اہلِ مکہ میں اس قسم کی توہمات اور بُری عادتیں عام ہو چکی تھیں۔

دینِ ابراہیمی میں بدعتوں کا رواج

اِن خرافات کے باوجود لوگوں کا خیال تھا کہ وہ دینِ ابراہیمی پر قائم ہیں کیونکہ وہ حج کے ارکان بھی ادا کرتے تھے اور عُمرہ بھی کرتے تھے۔ حج کے موقعہ پر جانوروں کی قُربانی بھی کرتے تھے۔ مُزدلفہ میں قیام بھی کیا کرتے تھے۔ خانۂ کعبہ کی عزت واحترام بھی بے حد کرتے تھے۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ نجات کا راستہ بُت پرستی کو ہی تصوّر کرتے تھے۔ ساتھ ہی اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کے پیروکار بھی مانتے اور طرح طرح کی اعتقادی بدعتوں میں شریک وشامل ہوتے۔

☆ قریش کی بدعتوں میں ایک بدعت یہ بھی تھی:

وہ حالتِ احرام میں گھر کے صدر دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ گھر کے اندر آنے اور گھر سے باہر جانے کے واسطے مکان کے پُشت کی دیوار میں ایک بڑا سا سُوراخ بنا لیتے تھے اور اُسی راستے سے آمدورفت رکھتے تھے۔ اس عمل کو اپنے حق میں فلاح و بہبود کا ضامن تصور کرتے ہوئے فخر محسُوس کرتے تھے۔

یہی بدعتیں، شرک و بدعت اور توہمات وخرافات اہلِ قریش کا دینی سرمایہ بن گئی تھیں۔ اس قسم کے عمل اور خیالات کو نیکی اور اعمالِ صالحہ کا درجہ دے کر اپنے لیے باعثِ نجات خیال کرتے تھے۔

رہبرِ انسانیت کا خانوادہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ اپنے جدِ اعلیٰ عبد مناف کے فرزند ہاشم کی نسبت سے خانوادۂ ہاشمی کے نام سے مشہور ہے۔

عبدمناف اور عبدالدار کے درمیان یہ رسّہ کشی جاری تھی کہ کس پر کس کو فضیلت حاصل ہے۔ آخر کار دونوں حضرات میں مفاہمت ہوگئی۔ اس مفاہمت کی رُو سے عبد مناف کی اولاد میں ہاشم کو سقایہ اور رفادہ یعنی حُجاجِ کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بہت معزز اور صاحبِ استطاعت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ قوم میں عزت' احترام اور مال و دولت حاصل تھی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے اُن کا سینہ سرشار تھا۔

ہاشم، جن کا اصل نام عمرو تھا، پہلے شخص ہیں جنہیں مکہ میں حاجیوں کی خدمت اور اُن کے کھانے پینے کا اہتمام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ وہ حاجیوں کو روٹی توڑ کر اور شوربے میں ڈبو کر کھلانے کے لیے اپنے ملازموں کے ساتھ بذاتِ خود شامل ہوتے تھے اس لیے قوم نے انھیں ''ہاشم'' کے لقب سے نوازا۔

لفظِ ''ہاشم'' کے معنی ہیں ''توڑنے یا چُورنے والا''۔ ہاشم نہ صرف انتظامی

صلاحیت کے مالک تھے بلکہ اچھے فیصلے کرنے اور اُن فیصلوں پر عمل کرانے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ ہاشم کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو سال میں دو بار تجارتی سفر کا مشورہ دیا اور اس کے لیے راہ بھی ہموار کی۔ اہلِ قریش نے جب ہاشم کے مشورہ پر عمل کیا تو اُن کی خوشحالی میں اور بھی اضافہ ہوا جس کی بنا پر ہاشم کی قدر و منزلت اہلِ قریش کی نگاہ میں اور بھی بڑھ گئی۔

ہاشم کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ جب وُہ تجارت کی غرض سے شام تشریف لے جا رہے تھے تو دورانِ سفر راستے میں جب مدینہ آیا تو مدینے میں چند روز قیام کا ارادہ کیا۔ مدینہ کے اسی دورانِ قیام میں قبیلہ بنی نجار کی ایک خاتُون سلمٰی سے آپ کی شادی ہوگئی۔ ہاشم چند دنوں مدینہ میں مقیم رہے اور بعد میں شام کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ ہاشم جب فلسطین کے شہر غزہ میں پہنچے تو وہاں انتقال فرما گئے۔

اِدھر مدینے میں سلمٰی کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ سلمٰی نے اپنے بچے کی پرورش میکے میں ہی کی۔ یہی شیبہ بڑے ہو کر عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔

ہاشم کے انتقال کے بعد سقایہ اور رفادہ کا منصب اُن کے بھائی مطلب کو ملا جو اپنی قوم میں ہاشم کی طرح ہی معزز اور مقبول ہوئے۔ اُن کی مقبولیت

اور سخاوت کی بنا پر قریش قوم نے اُن کو فیاض کے لقب سے نوازا اور اُن کے ہر فرمان کو تسلیم کیا۔ جب بارہ سال کے بعد مطّلب کو اپنے بھائی ہاشم کی شادی اور اُن کے بچے کی پیدائش کا علم ہوا تو وہ اپنے بھتیجے کو لینے کے لیے مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔

مدینے میں جب بھتیجے شیبہ (عبدالمطلب) پر نظر پڑی تو آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور بھائی ہاشم کی یاد تازہ ہوگئی۔ عبدالمطلب کو سینے سے لگالیا اور اُسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے سلمٰی سے اجازت چاہی۔ سلمٰی نے اپنے لختِ جگر کو خُود سے جُدا کرنا گوراہ نہیں کیا اور اجازت دینے میں تامل کیا۔ جب مطّلب نے سلمٰی سے کہا کہ "یہ بچہ اپنے والد کی حکومت اور بیت اللہ کی طرف جارہا ہے" تو سلمٰی نے عبدالمطلب کو اپنے سینے سے لگایا اور مکہ لے جانے کی اجازت دے دی۔ مطّلب انہیں مکہ لے آئے۔ جب مکے والوں نے جاننا چاہا کہ یہ کون ہے تو مطّلب نے جواب دیا کہ "یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی عمرو (ہاشم) کا بیٹا ہے۔" اُس کے بعد عبدالمطلب نے اپنے چچا کی شفقت اور محبت کے سایہ میں پرورش پائی اور جوان ہوئے۔ کچھ دنوں بعد ایک سفر کے دوران یمن کے ایک مقام "رومان" میں مطّلب کا بھی انتقال ہوگیا اور ان کے چھوڑے ہوئے مناصب اور اقتدار عبدالمطلب کو حاصل ہوئے۔ قوم نے ان کو اس قدر

شرف و اعزاز سے نوازا کہ ان کے آبا و اجداد میں کوئی بھی اس مقام کو نہیں پہنچا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو دس بیٹے اور چھ بیٹیاں عطا کیں۔ اُنھوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا جن کا نسب اور رُتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون میں شمار ہوتا تھا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو مدینہ کے سفر پر روانہ کیا جو ۵۴۵ء میں پیدا ہوئے اور صرف ۲۵ سال کی عمر پا کر ۵۷۰ء میں انتقال فرما گئے۔

ولادت باسعادت

آپ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد اپریل ۵۷۱ عیسوی مطابق ۱۲ ربیع الاول اور بعض روایت کے مطابق ۹ ربیع الاول کو مکہ میں پیدا ہُوئے۔

یہ نوشیروانِ عادل کا عہد تھا جس کی تاج پوشی کی چالیسویں سالگرہ اُسی روز تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو آپ کی والدہ نے بھیجی۔ حضرت عبدالمطلب کی خُوشی کا ٹھکانا

نہ رہا۔ وُہ بے حد شاداں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلمؑ کو خانۂ کعبہ میں لے جاکر اللہ سے دُعا کی۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک 'محمدؐ' تجویز کیا۔ یہ نام عربوں میں معروف نہ تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے آپ کے چچا ابولہب کی کنیز ثُوبیہ نے دُودھ پلایا۔ اُس وقت ثُوبیہ کا اپنا بچہ بھی گود میں تھا جس کا نام مسروح تھا۔ ثُوبیہ نے آپ سے پہلے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دُودھ پلایا تھا۔

عرب کے شہری باشندے اپنے بچوں کو دُودھ پلانے کے لیے دُوسری عورتوں کی خدمات بھی حاصل کرتے تھے تاکہ اُن کے بچوں کے جسم اور اعصاب توانا اور مضبوط ہوں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے ایک دُودھ پلانے والی دایہ کا انتظام کیا اور آپ کو حضرت حلیمہ کے حوالے کر دیا گیا۔ دائی حلیمہ کے شوہر کا نام حارث تھا اور وہ قبیلہ بنوسعد سے تعلق رکھتے تھے۔

رضاعت کے عرصہ میں حضرت حلیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیران ہوگئیں۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہ فرمایا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنے سب سے

چھوٹے شیر خوار بچے کو لے کر بنی سعد کی عورتوں کے قافلے کے ساتھ اپنے شہر سے باہر دُودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط کے دن تھے۔ دشواریوں سے گزرتے ہوئے کسی طرح مکہ پہنچ گئیں۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رضاعت کے لیے پیش نہ کیا گیا ہو۔ لیکن تمام عورتوں نے یہ سوچ کر کہ آپ یتیم ہیں اور آپ کی بیوہ والدہ انہیں بہتر صلہ نہ دے پائیں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے سے انکار کردیا۔ قریب قریب تمام عورتوں کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا لیکن میرے حصے میں کوئی بچہ نہ آیا۔ بوقت واپسی میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ قحط کا زمانہ ہے اور ہماری تمام سہیلیاں بچے پا چکی ہیں لیکن میں محروم رہ گئی ہوں۔ پھر اُس یتیم بچے کو، جسے کسی نے قبول نہیں کیا، لینے کے لیے اپنے شوہر کی اجازت چاہی۔ شوہر نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے کہ یہی بچہ ہمارے لیے باعثِ برکت ثابت ہو۔ اس کے بعد میں نے صرف یہ سوچ کر کے اس بچے کو لے لیا کہ مجھے کوئی امیر گھرانے کا بچہ نہیں ملا۔

نجاتِ دوجہاں تھی جس کی دامانِ کریمی میں
وہ بچہ پل رہا تھا آج آغوشِ یتیمی میں

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے گھر واپس آئی اور

اُس بچے کو دُودھ پلانے کی غرض سے گود میں لیا تو میں نے محسُوس کیا کہ میرے دونوں سینے دُودھ کی زیادتی سے وزنی ہوگئے جب کہ پہلے میں اُن میں دُودھ کی کمی محسُوس کرتی تھی۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیر خوار بچے کو دُودھ پلانے کے بعد یہ بات بھی محسُوس کی کہ دونوں بچے دُودھ پی کر آسُودہ ہوگئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب میرے شوہر اُونٹنی کا دُودھ نکالنے کے لیے گئے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے کہ کل تک جو اُونٹنی بہت کم دُودھ دیتی تھی آج اُس نے اتنا دُودھ دیا کہ ہم دونوں نے آسُودہ ہوکر دُودھ پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ دوسرے روز اُن کے شوہر حارث نے اُن سے کہا کہ خُدا کی قسم! تُم نے ایک برکت والا بچہ پایا ہے جس کی آمد نے ہمارے گھر کی تنگی کو خوشحالی اور فراوانی میں تبدیل کردیا ہے۔ میں نے بھی ایسے ہی محسُوسات کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی تائید کی۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میری سمجھ میں روئے زمین کا کوئی خِطّہ اتنا قحط زدہ نہیں ہوگا جتنا ہمارا علاقہ قحط کی زد میں تھا۔ لیکن مکہ سے واپسی کے بعد جب ہماری بکریاں اور اُونٹنی چرنے جاتی ہیں تو آسُودہ حال اور دُودھ سے بھرپُور تھنوں کے ساتھ واپس آتی ہیں۔ ہمارے یہاں دُودھ کی فراوانی

دیکھ کر اہلِ بنو سعد رشک کرنے لگے کیونکہ ان کے جانوروں کے تھن دُودھ سے خالی رہتے اور اُنھیں بہت کم دُودھ حاصل ہوتا۔ اہلِ بنو سعد اپنے چرواہوں سے شکایت کرتے اور کہتے کہ تُم بھی ہماری بکریاں وہیں لے جا کر چراؤ جہاں حارث کی بکریاں چرنے جاتی ہیں۔ مگر وہاں جانے کے بعد بھی اُن کی بکریاں خالی پیٹ واپس آتیں اور دُودھ کی کمی اُسی طرح قائم رہتی۔ حلیمہ اور حارث اس بچے کی آمد کو خیر و برکت کا باعث سمجھتے اور اس پر فخر کرتے ۔آخر کار جب بچے کی عُمر دو سال کی ہوگئی تو حلیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلانا بند کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو سالہ عُمر میں دوسرے ہم عُمر بچوں سے زیادہ قوی اور صحت مند تھے۔ اس کے بعد ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی والدہ کی خدمت میں لے گئے کیونکہ دُودھ پلانے کا عرصہ مکمل ہوچکا تھا۔ لیکن اس بچے کے ہمارے گھر آجانے سے ہم نے جو خیر و برکت کی فراوانی دیکھی تھی اس کی بنا پر میری دلی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کچھ دن اور ہمارے پاس رہیں۔ چنانچہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سے چند روز اور اپنے پاس رکھنے کی التجا کی جسے اُنھوں نے قبُول فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے سپُرد کر دیا۔

شقِّ صدر کا واقعہ

رضاعت کی مُدّت ختم ہونے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی رہے۔ایک دن جب آپ چراگاہ میں تھے کہ فرشتے آئے اور آپ کا شِکم مبارک چاک کیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے صاحبزادے حضرت ضمیرہ اس واقعہ کو دیکھ کر دوڑتے ہوئے اپنے گھر آئے اور ان سے کہا کہ امی جان! بڑا غضب ہوگیا۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تین آدمیوں نے، جو بہت ہی نورانی شکل وصورت والے ہیں اور سفید لباس میں ملبوس ہیں، چت لٹا کر ان کے شِکم کو چیر ڈالا ہے۔میں اِسی حال میں اُن کو چھوڑ کر بھاگا ہوا آپ کو خبر کرنے آیا ہوں۔یہ سُن کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے شوہر دونوں گھبرائے ہوئے جنگل کی اُس چراگاہ میں پہنچے جہاں آپ بکریاں چرانے تشریف لے گئے تھے۔حضرت حلیمہ سعدیہ نے وہاں جا کر دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر خوف وہراس سے چہرہ زرد ہے۔حضرت حلیمہ سعدیہ نے انتہائی مشفقانہ لہجہ میں پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص نورانی شکل وصورت والے آئے تھے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شِکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال لی اور اس کو باہر پھینک دیا اور پھر کوئی چیز

میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا۔لیکن مجھے ذرّہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں لکھا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدّس سینہ چاک کیا گیا اور اس میں نور وحکمت کا خزینہ بھرا گیا۔پہلی مرتبہ جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہوکر کھیل کود اور شرارتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔دوسری بار جب آپ کی عمر ۱۰ سال کی ہوئی۔اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ جوانی کے پُر آشوب دور کے خطرات سے بے خوف ہوجائیں۔تیسری بار غارِ حرا میں شقِّ صدر ہوا اور آپ کے قلبِ مبارک میں نور وسکینہ بھر دیا گیا تاکہ آپ وحیِ الٰہی کے بارِعظیم کو برداشت کرسکیں۔اور چوتھی مرتبہ شبِ معراج میں آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیااور نور وحکمت کے خزانے سے معمور کیا گیا تاکہ آپ کے قلبِ مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہوجائے کہ آپ دیدارِ الٰہی کی تجلیوں اور کلامِ ربانی کی ہیبت وعظمت کے متحمل ہوسکیں۔بعض مفسرین نے ''شرحِ صدر'' سے آپ پرحق واضح ہونا مراد لیا ہے۔

حضرت آمنہ کی آغوش میں

واقعہ شقِ صدر سے حضرت حلیمہ خوفزدہ ہوگئیں اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کے سپُرد کردیا جائے۔ لہٰذا حضرت حلیمہ نے آپؐ کو مکہ لے جاکر آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔اس وقت آپ کی عمر پانچ برس تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپؐ کو لے کر آپؐ کے دادا کے ننھیالی رشتے داروں سے ملاقات اور اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئیں۔ اُنھیں اپنے شوہر عبداللہ کی یاد ستا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ وسلم کے والد کی باندی اُمِ ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ واپسی میں دورانِ سفر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت خراب ہوگئی اور مدینہ و مکہ کے درمیان ابواء نامی گاؤں میں اُن کا انتقال ہوگیا۔وہ وہیں مدفون ہوئیں۔

عبدالمطلب کی شفقت میں

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت اُمِ ایمن آپؐ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپؐ کو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد کردیا۔اُن کا

دل پوتے کی محبت میں تڑپ رہا تھا جو اپنی ماں کی شفقت سے بھی اب محروم ہوگیا تھا۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے انتقال نے عبدالمطلب کا دل توڑ دیا تھا۔ اُنھیں اس بات کا بے حد احساس تھا کہ ان کا پوتا، جس سے اُنہیں بے حد محبت تھی، بچپن میں ہی اپنے والدین کے سایہ سے محروم ہوگیا۔ جس بچے کا باپ پیدائش سے قبل انتقال کر گیا ہو اور جو دورِ طفلی میں اپنی والدہ کی شفقت سے بھی محرُوم ہوگیا ہو اُس بچے سے دادا کی بے پناہ محبت ایک فطری جذبہ تھا۔ عبدالمطلب اِن حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑنے کے حق میں نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی اولاد سے بھی زیادہ شفقت و محبت سے اپنے پوتے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرورش کی۔ لیکن جب آپ تقریباً ۸ برس کے تھے تو دادا عبدالمطلب کی شفقت و محبت کا سایہ بھی آپؐ کے سر سے اُٹھ گیا۔

چچا کی کفالت

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد اُن کے فرزند زبیر اُن کے جانشیں ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا اور انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ (ضیاء الدین کرمانی۔ "ابدی پیغام کے آخری پیغامبر") انہوں نے آپ کو کسی طرح اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھا۔

حضرت زبیر کے بعد حضرت ابوطالب سردارِ قریش ہوئے۔انہوں نے خاندانی حمیت کی بنا پر تا دمِ حیات آپ کی حمایت کی۔

حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی جھوٹ بولے ہوں یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلافِ تہذیب بات کی ہو۔ ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار، نرم گفتار، بلند کردار اور اعلیٰ درجے کے پارسا و پرہیزگار رہے۔

سفرِ شام

جب آپؐ کی عمر بارہ برس کی تھی اُس وقت آپ کے چچا نے تجارت کی غرض سے ملکِ شام کا سفر کیا۔ چچا کو چونکہ آپؐ سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ساتھ لے گئے۔اس سفر کے دوران بُصریٰ میں بحیرہ راہب نے آپ کو دیکھا اور اپنی مذہبی کتاب میں بیان کی ہوئی نبی کی نشانیوں سے آپ کو پہچان لیا۔اس نے آپ کے قافلے والوں کی دعوت کی اور آپ کے چچا سے کہا کہ یہ رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہے۔اس لیے تمہارے اور ان کے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ۔ اپنا مالِ تجارت یہیں فروخت کر کے

جلد سے جلد واپس مکے چلے جاؤ۔ چنانچہ چچا نے تجارت کا مال فروخت کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آگئے۔ (یہ روایت بعض حضرات کے نزدیک مستند نہیں)۔

آپؐ کی امن پسندی کا ایک واقعہ

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا طویل سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان ہی لڑائیوں میں سے ایک لڑائی 'جنگِ فجار' تھی۔ عرب کے لوگ چار مہینوں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مہینوں میں تلواریں نیام میں رکھ دی جاتیں اور برچھیوں کے نیزے اُتار لیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی ان مہینوں میں بھی انہیں لڑائی کرنی پڑجاتی۔ ایسی ہی ایک لڑائی تھی جس میں آپ شریک تھے مگر آپ نے ہتھیار نہیں اٹھایا۔ صرف اتنا کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا کر دیتے رہے۔ چونکہ قریش اور قیس کے درمیان ہوئی اس آخری لڑائی میں قریش حق پر تھے اس لیے صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ (سیرت ابنِ ہشام)

اس لڑائی اور آئے دن کی لُوٹ مار اور بدامنی سے بیزار ہوکر ایک تحریک چلائی گئی۔ مختلف قبیلوں کے سردار ایک مقام پر جمع ہوئے اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لیے کوئی معاہدہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ بقائے باہم کے اصول پر خاندانِ قریش کے سرداروں نے ایک معاہدہ کیا کہ ہم لوگ ملک سے بدامنی دُور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، مظلوم کی حمایت کریں گے اور کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

قیامِ امن کا یہ معاہدہ، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے، آپ کو اس قدر عزیز تھا کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدے کے بدلے کوئی مجھے سُرخ اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ (سیرت ابنِ ہشام)

شام کا دوسرا سفر

حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب عنفوانِ شباب کو پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزی حاصل کرنے کے مسائل درپیش آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کو سنوارنے اور بنانے کی طرف توجہ مبذول کی اور روزگار کے مسائل ابتداء میں بکریاں چرا کر حل کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسعد کی بکریاں چرانے کے ساتھ ساتھ مکہ میں بھی بکریاں چرائیں۔ کچھ دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت سے رغبت ہوئی۔ اس دوران

آپ کی امانت و صداقت کا چرچا دُور دُور تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو کہ مکہ کی ایک مالدار خاتون تھیں، کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کوئی ایماندار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ وہ اپنی تجارت کا مال ملکِ شام بھیجیں۔ لہٰذا ان کی نگاہِ انتخاب نے اس کام کے لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ میرا سامانِ تجارت لے کر ملکِ شام جائیں۔ جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور سامانِ تجارت لے کر ملکِ شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے معتمد غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔

واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہرِ مکہ میں داخل ہو رہا تھا اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بالاخانے پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ معاً اُن کی نظر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور فرطِ عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔

پھر کئی دن بعد انہوں نے اپنے غلام میسرہ سے اس کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا ہوں۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال میں وہ امانت اور برکت دیکھی جو کسی اور تاجر میں نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنے غلام میسرہ سے دورانِ سفر واقع ہونے والے واقعات کے بارے میں سُن ہی چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں زبانی، اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، راست گوئی، امانت دارانہ مزاج اور بلند پایۂ فکر کی بنا پر حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپؐ سے نکاح کی رغبت ہوگئی۔ اہلِ قریش کے بڑے بڑے سردار اور رؤسا حضرت خدیجہؓ سے شادی کی درخواست کر چکے تھے مگر اُنہوں نے کسی کا پیغام قبول نہ کیا۔ اُنہوں نے اپنے دل کی بات اپنی ایک سہیلی نفیسہ بنتِ اُمیہ سے کہی۔ نفیسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور انہوں نے آپؐ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ آپؐ نے اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کا ذکر اپنے چچا ابوطالب اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے سامنے کیا۔ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی خوشی اس رشتہ کو منظور کرلیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، اپنے چچا ابو طالب، خاندان

کے دوسرے افراد اور شرفائے بنو ہاشم وغیرہ کے ہمراہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہیں نکاح ہوا۔

یہ واقعہ سفرِ شام سے واپسی کے دو ماہ بعد کا ہے۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پچیس برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً چالیس برس تھی۔ (بعض مصنفین نے اس سے اختلاف کیا ہے اور نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ برس بھی درج کی ہے)۔ حضرت خدیجہؓ قبیلہ قریش میں ایک ممتاز خاتون کا درجہ رکھتی تھیں اور فہم و فراست میں بلند پایہ حیثیت کی مالک تھیں۔ حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شریکِ حیات تھیں اور ان کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسری شادی نہیں کی۔

تنازعۂ حجرِ اسود

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ برس تھی اہلِ قریش نے اُسی عرصہ میں خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کا آغاز کیا۔ تعمیرِ نو کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ خانۂ کعبہ کی چار دیواری کی بلندی بہت کم تھی اور اُس پر چھت نہ تھی۔ ساتھ ہی اس کی تعمیر کو ایک عرصۂ دراز گذر چکا تھا اور دیواریں جگہ جگہ سے خستہ ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے منہدم ہونے کا بھی اندیشہ پیدا

ہونے لگا تھا۔ لہٰذا اہلِ قریش نے فیصلہ کیا کہ خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کی جائے۔

اس تعمیرِ نو پر صرف ہونے والی رقم کے بارے میں قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ صرف حلال ذرائع سے حاصل کی گئی رقم ہی خرچ کی جائے گی۔ اس تعمیر پر ایسے مال واسباب یا رقُوم استعمال نہیں ہوں گی جو سُود یا بدکاری کے صلے میں حاصل ہوئی ہوں۔

نئی عمارت کی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو گرانا ضروری تھا۔ لیکن عمارت میں توڑ پھوڑ اور منہدم کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ وہ اس خوف سے دوچار تھے کہ ایسا کرنے سے کوئی آفت یا مصیبت نازل نہ ہو جائے۔ آخر کار ان میں سے ایک شخص ولید بن مغیرہ مخزومی نے توہم پرستی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور ہمت و جرأت سے کام لیتے ہوئے دیواروں کو توڑنے کا کام شروع کیا۔ جب اُس پر کوئی آفت یا مصیبت نہ آئی تو باقی قریش بھی اس کے ساتھ کام میں شامل ہوگئے اور دیواریں گرائی جانے لگیں۔ جب مقامِ ابراہیم تک پہنچے تو نئے سرے سے تعمیر کا آغاز ہوا۔ تعمیر کے سلسلے میں ہر قبیلہ کا حصہ مخصُوص کر دیا گیا تھا تاکہ تعمیرِ نو کے سلسلے میں کسی قبیلہ کو شکایت نہ ہو کہ اس نے تعمیرِ نو میں کوئی حصہ نہ لیا اور کوئی خدمت انجام نہ دی۔

تمام قبیلے والے، جن کے ذمہ تعمیر کے لیے جتنی جگہ مقرر کی گئی تھی، اپنی اپنی جگہ کے سامنے تعمیرات سے متعلق دیگر ساز و سامان اکٹھا کرنے لگے۔

جب دیواریں حجرِ اسود تک بلند ہوگئیں تو یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہُوا کہ حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کی فضیلت کس قبیلے کو سونپی جائے؟ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ فضیلت اسے حاصل ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک تنازعہ پیدا ہوگیااور اس ڈر سے کہ یہ تنازعہ شدت اختیار کر کے کہیں فساد کا سبب نہ بن جائے، کام رُک گیا۔ چار پانچ یوم اسی طرح گزر گئے۔ آخر ابو اُمیہ بن مغیرہ، جو قریش میں سب سے بڑی عمر کا تھا، نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجدِ حرام کے دروازے سے کعبہ میں داخل ہو اُسے اِس امتیازی کام کی ذمہ داری سونپی جائے۔ اس بات کو قبیلے کے تمام لوگوں نے اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔ مشیّتِ الٰہی دیکھیے کہ عین اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں تشریف لے آتے ہیں۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی صدا بلند کی کہ ھٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَاهُ ھٰذَا مُحَمَّدٌ "یہ امین ہیں، ہم اِن سے راضی ہیں، یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں"۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب پہنچے تو لوگوں نے معاملے کی نزاکت اور اپنے متفقہ فیصلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا اور اس کام کی انجام دہی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست قبول کرتے ہوئے ایک چادر طلب کی۔ اُس چادر کے اوپر حجرِ اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب مل کر چادر کے کناروں کو پکڑ کر کے اوپر اُٹھائیں۔ سب نے مل کر ایسا ہی کیا۔ جب چادر اُس مقام تک پہنچ گئی جہاں حجرِ اسود کو نصب کیا جانا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھایا اور اُسے متعینہ مقام پر رکھ دیا۔ کسی قبیلہ کو کوئی شکایت نہیں رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تدبّر اور فہم وفراست سے کام لے کر حجرِ اسود نصب کرنے کے عمل میں تمام قبائل کے سرداروں کو شریک ہونے کا موقعہ عطا فرمایا اور کسی کی دل شکنی بھی نہیں ہونے دی، تاریخ میں ایسی مثال کہاں ملتی ہے!

اعلانِ نبوت سے قبل کی زندگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حق پسندی، دُور اندیشی اور غوروفکر کا بلند مینارہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حُسنِ فراست، فکر کی بلندی اور صبر و استقلال کی عظیم دولت سے نوازا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خاموشی سے حالات و کوائف کا جائزہ حق و صداقت اور

فہم و فراست کی روشنی میں لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شگفتہ مزاجی اور پُر نُور فطرت سے زندگی کے واقعات،لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ فرما کر بہت ہی دانش مندی اور تدبّر کے ساتھ قدم اٹھاتے تھے۔

اہلِ مکہ جس جہالت اور خرافات میں مبتلا تھے اُسے آپؐ ناپسند فرماتے تھے اور اُن کاموں میں شرکت فرماتے تھے جو خیر و صداقت پر مبنی ہوتے اور جسے آپ بہتر نہیں سمجھتے تھے اس سے دُور رہتے تھے۔ عرب معاشرے میں شراب کا عام استعمال ہونے کے باوجُود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شراب کو مُنہ نہیں لگایا اور نہ ہی بُتوں کے لیے منعقد کی جانے والی تقاریب میں کبھی شرکت کی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اُوپر تحفظ کا سایہ کیا ہُوا تھا۔جب کبھی بھی حصولِ نفس کے لیے جذبات متحرک ہوئے یا کسی ناپسندیدہ رسم و رواج کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مائل ہوئی تو فضلِ خداوندی دخیل ہوکر رُکاوٹ بن گئی۔ ابنِ کثیرؒ سے ایک روایت ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جہالت میں مُبتلا عرب جو کام کرتے تھے میرے اندر دو دفعہ کے علاوہ کبھی اُن کا خیال پیدا نہ ہوا۔ لیکن اِن دونوں کاموں میں اللہ تعالیٰ نے میرے اور اُن کاموں

کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی۔ اُس کے بعد کبھی میرا دل اُس طرف راغب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت کی فضیلت بخش دی"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں مندرجہ ذیل کریمانہ عادات سے بے حد ممتاز تھے :

- شیریں کلام اور بلند اخلاق کی دولت سے مالا مال تھے۔
- حلیمانہ اور بامروّت مزاج رکھتے تھے۔
- بہت اچھے ہمسایہ اور پڑوسی تھے۔
- بہت بڑے دُور اندیش اور بصیر تھے۔
- بے حد نرم گفتار اور رحیمانہ مزاج کے مالک تھے۔
- خیر کے خواہاں اور کریمانہ اوصاف کے حامل تھے۔
- عہد کے پابند اور وعدہ وفا کرنے والے تھے۔
- اعلیٰ درجے کے امین اور حد درجے کے صلح پسند تھے۔
- راست گفتار اور خصائلِ حمیدہ کے حامل تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

- ناداروں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی امداد و کفالت کرتے تھے۔

- دل میں مہمان نوازی کا سمندر موجزن تھا۔
- مصائب کی گھڑی میں صبر وتحمل کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔

آپ کی کریمانہ عادات کی بنا پر قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کے لقبؔ سے نوازا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پُوری زندگی حسنِ اخلاق کی تفسیر ہے۔

پہلی وحی

حیات وکائنات پر غور وفکر کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ گوشۂ تنہائی کو پسند فرمایا۔ مکہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر کوہِ حرا کے ایک غار کو گاہے بگاہے قیام کے لیے منتخب کیا۔ یہ غار کم وبیش چار گز لمبا اور دو گز چوڑا ہے۔ اس غار میں گہرائی نہیں ہے۔ بالعُموم رمضان المبارک کا پُورا مہینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں ہی گزارتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنہائی پسندی ایک طرح سے باری تعالیٰ کی مشیّت تھی اور اللہ آپ کی ذاتِ گرامی سے جو کارہائے نمایاں لینا چاہتا تھا اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیار کر رہا تھا۔ اللہ نے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کو خیرالبشر بنا کر اس دُنیا میں بھیجا تھا اور چونکہ اپنے بندوں کو گمراہی سے نجات دلانے کے لئے اس محسنِ انسانیت کو مامُور کیا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خلوت نشینی مقرر کردی۔ آپ رمضان المبارک کا پُورا مہینہ اسی غار میں اللہ کی عبادت اور ریاضت میں گزارتے۔

جب آپ کی عُمر چالیس سال کی ہوگئی تو نبوت کے ظاہری آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں نمایاں ہونے لگے۔ یہ آثار سچے خوابوں کی صُورت میں پیش آتے۔ جب غارِ حرا میں خلوت نشینی کا تیسرا سال چل رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمیں کے باشندوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو فیضانِ رحمت بنادیا۔ ایک دن جب آپ غارِ حرا کے اندر عبادت میں مشغول تھے تواچانک غار میں آپ کے پاس ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ (یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو ہمیشہ اللہ کے رسولوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے)۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ''اقراء'' یعنی پڑھیے۔

آپ نے فرمایا، ''مَا اَنَا بِقَارِی'' یعنی میں پڑھا ہوا نہیں۔

حضرت جبریلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان لے کر زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا، ''اقراء'' یعنی پڑھیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، ''مَآ اَنَابِقَارِی'' یعنی میں پڑھا ہوا نہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب دوسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح زور سے اپنے سینے سے لگایا اور کہا ''اقراء'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بار بھی یہی فرمایا:

''میں پڑھا ہوا نہیں''۔

جب حضرت جبریلؑ نے تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھینچا اور اس کے بعد کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ

ترجمہ: ''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خُون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو! اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے''۔

ان آیاتِ قرآنی کے نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نڈھال حالت میں گھر کی طرف لوٹے اور گھبرائے ہوئے انداز میں اُم المومنین حضرت خدیجہؓ سے فرمایا، ''مجھے چادر اُڑھا دو، مجھے چادر اُڑھا دو''۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اُڑھا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف جاتا رہا۔

پہلی وحی کی آمد کے بعد کئی روز تک کوئی وحی نہیں آئی۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی۔ پہلی وحی کے نُزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوف زدہ ہوگئے تھے۔ وحی کے نزول میں کئی دنوں کا وقفہ اس خوف کو دُور کرنے کے لیے تھا۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلّی طور پر یہ یقین ہوگیا کہ آپ اللہ کے رسول بن چکے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو شخص آیا تھا وہ وحی کے سفیر حضرت جبریلؑ تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف جاتا رہا اور وحی کی آمد کا اشتیاق پیدا ہونے لگا۔ اس کے بعد وحی کی آمد کا سلسلہ قائم ہوگیا۔

در پردہ تبلیغ کا سلسلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا سلسلہ مصلحتہً پوشیدہ طور پر شُروع کیا تاکہ تبلیغ اسلام کے مخالفوں کی زد میں نہ آجائے اور اللہ کے جس ذکر کو لے کر وہ آگے بڑھ رہے ہیں اُس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ انتہائی رازدارانہ اور مدبّرانہ انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو دعوتِ اسلام دی

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ احباب میں تھے۔ بعد میں ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے متاثر اور آپ کے عقیدت مند تھے۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت علی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے (حضرت علی ابھی بچے تھے) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی شروع میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ پھر جلد ہی فدائیانِ اسلام کی ایک جمعیت تیار ہوگئی جو تبلیغِ اسلام کے سلسلے کو بڑھانے اور پھیلانے میں سرگرم ہوگئی۔

بہت احتیاط اور مدبّرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں وُسعت پیدا کی گئی جس کے نتیجے خاطر خواہ نکلے۔ حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، ابوسلمیٰ عبداللہ بن عبدالاسد، عثمان بن مظعون اور اُن کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبداللہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنتِ خطاب، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے بہت سارے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ یہ تمام حضرات قریش کی کسی نہ کسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابنِ اِسحاق ذکر کرتے ہیں کہ اہلِ قریش کے

ہر گوشے سے کوئی نہ کوئی فرد جب اسلام کے دائرے میں داخل ہُوا تو مکہ میں انقلاب سا آ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ اور اِرد گرد کے مرد اور عورتیں بتدریج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مکہ میں ہر طرف اسلام کا چرچا شُروع ہو گیا۔

ابتداء میں یہ لوگ چھپ چھپا کر مسلمان ہُوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر ان مسلمانوں کی دینی تربیّت کیا کرتے تھے کیونکہ تبلیغِ دین کا کام ابھی تک مجبوراً پسِ پردہ ہی انجام دیا جا رہا تھا اور اہلِ کفر مسلمانوں کے درپے آزار ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد میں تیزی پیدا ہو گئی ۔اس دور میں مختصر اور چھوٹی چھوٹی آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ ان آیتوں کا خاتمہ یکساں قسم کے بڑے اور پُرکشش الفاظ پر ہوتا تھا۔ اُن میں بڑی سکُون بخش اور جاذبِ قلب نغمگی ہوتی تھی جو اس پُر سکُون اور رقت آمیز فضا کے عین مطابق ہوتی تھی۔ پھر ان آیتوں میں تزکیۂ نفس کی خوبیاں اور آلائشِ دنیا میں مبتلا ہونے کی برائیاں بیان کی جاتی تھیں اور جنت وجہنم کی تصویر اس طرح پیش کی جاتی تھی گویا سارا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ آیتیں اہلِ ایمان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالکل الگ ایک دُوسری ہی فضا کی سیر کراتی تھیں۔

ابنِ حجر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام معراج سے پہلے اسی طور نماز ادا کرتے تھے۔ اس زمانے میں نماز ادا کرنے کے سلسلے میں ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز کے وقت احتیاطاً تحفظ کے طور پر قریب کی محفوظ گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ دریافت کرنے پر جب حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے کہا ''آپ لوگ اس پر قائم رہیں''۔

مختلف واقعات سے علم ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں دین کی تبلیغ کا کام اور نماز کی ادائیگی چھپ کر پوشیدہ طور پر کی جارہی تھی۔ تین سال تک تبلیغ کا کام خُفیہ اور انفرادی رہا۔ تبلیغ کا کام آخر کار بار آور ہُوا اور اہلِ ایمان کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو اخّوت اور تعاون پر قائم تھی اور اللہ کا پیغام ہر سمت پہنچا رہی تھی۔ اسی دوران وحی نازل ہوئی جس کا مفہوم یوں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُکلّف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلم کھلا دین کی دعوت دیں، پیدا ہونے والے حالات سے نبرد آزما ہوں اور مشرکین کو اُن کے بتوں کی حقیقت سے آگاہ کریں۔''

اعلانیہ تبلیغ کا حکم

اعلانیہ تبلیغ کے سلسلے میں باری تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح حکم نازل ہوا:

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَ تَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (سورۃ **الشعرآء**: ۲۱۴)

ترجمہ: ''آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے''۔

اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد ایک دن آپ نے کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر یَا مَعۡشَرَ قُرَیۡش کہہ کر قبیلۂ قریش کو پکارا۔ جب تمام افرادِ قریش جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہہ دوں کہ اِس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کروگے؟ اس پر سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہاں! ہاں! یقیناً ہم آپؐ کی بات کا یقین کریں گے کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، ''تو میں یہ کہتا ہوں اور تم لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا رہا ہوں۔ اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔'' یہ سُن کر تمام قریش، جن میں آپ کے چچا ابولہب پیش پیش تھے، ناراض ہوکر چلے گئے۔

مشرکین کا ردِّ عمل

اس آواز کی گونج ابھی مکے کے اطراف میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکم نازل ہوا۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (سورۃ الحجر: ۹۴)

ترجمہ: "آپ کو جو حکم ملا ہے اسے ڈنکے کی چوٹ سے (اعلانیہ) بیان کردیجیے اور مشرکین سے منہ پھیر لیجیے"۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کی خرافات اور باطل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور وقعت کو واضح کرنا شروع کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثالیں دے دے کر سمجھاتے کہ یہ بُت کس قدر عاجز و محتاج ہیں اور فرماتے کہ جو شخص ان کی پرستش کرتا ہے وہ کس قدر گمراہی میں مبتلا ہے۔

اہلِ مکہ ایک ایسی آواز سُن کر، جس میں مشرکین اور ان کے بُتوں کو گمراہ کہا گیا تھا، احساسِ غضب کے شکار ہوگئے۔ ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام گویا بجلی کی مانند تھا جس نے اہلِ قریش کے جذباتِ گمراہی کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسی لیے اہلِ قریش اس اچانک رُونما ہونے والے انقلاب کا قلع قمع کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور اسلام کی دعوت اہلِ قریش کو گوارا نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی اُلوہیت سے انکار اور رسالتؐ و آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے اور اس کی بلا پس و پیش اطاعت کی جائے۔ یعنی اس طرح کہ دُوسرے تو درکنار، خُود اپنی جان اور اپنے مال پر اپنا کوئی اختیار نہ رہے۔ اللہ کا دیا ہُوا سب کچھ اُس کی راہ میں قُربان کر دیا جائے۔ اس کے معنی یہ بھی تھے کہ مکہ والوں کو مذہبی طور پر اہلِ عرب پر جو فضیلت اور سرداری حاصل تھی اس کو نیست و نابود کر دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رضائے خداوندی کے مقابل میں انہیں اپنی مرضی پر عمل پیرا ہونے کا اختیار نہ رہے۔ اُنہوں نے کمزوروں پر جو مظالم روا رکھے تھے اور صبح و شام جن برائیوں میں ملوث رہتے تھے اُن سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ بات انہیں کسی طور پر گوارا نہ تھی۔

قریش اسے سمجھ رہے تھے لیکن مشکل یہ آن پڑی تھی کہ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق و امین تھا، انسانی اقدار کا اعلیٰ نمونہ تھا اور ایک طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر نہ دیکھی اور نہ سُنی تھی۔ اُن کا مقابلہ کریں تو کیوں کر کریں؟ قریش کافی خوفزدہ تھے۔

مسلسل غور و فکر کے بعد انہیں یہ راہ نظر آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اس سلسلے میں استعمال کیا جائے اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے روکیں۔ اُنہوں نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ اُن کے یہ معبُود نفع اور نقصان پہنچانے یا کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، درحقیقت یہ اُن معبودوں کی بڑی توہین ہے اور یہ ہمارے اُن آبا و اجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اِسی دین پر گزر چکے ہیں۔

کفارِ قریش کی ابو طالب سے ملاقات

قریش کے کچھ صلح پسند لوگ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ پُر امن طریقے سے معاملہ طے ہوجائے۔ چنانچہ قریش کے چند معزز اشخاص ابوطالب کے پاس گئے اور اُن سے بُت پرستی کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اور اسلام کی دعوت کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی اور ابو طالب سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کو تنبیہ کریں۔ قریش کے تیور دیکھ کر ابو طالب سمجھ گئے کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آگئی ہے۔ قریش اب برداشت نہیں کرسکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا

مقابلہ نہیں کرسکتا۔لہٰذا اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو۔ بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اُٹھا نہ سکوں۔اب تک قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا۔مگر آج قریش کے سرداروں کا لب ولہجہ اور ان کا تیور اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ میری مخالفت سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔انہوں نے قریش کا پیغام اپنے بھتیجے کو پہنچا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب چچا کے قدم بھی اُکھڑ رہے ہیں۔ اپنے مشفق چچا کی گفتگو سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو اللہ تعالیٰ اس کام کو پُورا فرما دے گا یا میں خود دینِ حق پر نثار ہو جاؤں گا۔

ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا جواب قریش کو پہنچا دیا۔جب قریش نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کی کوئی بھی حکمت عملی کارگر ثابت نہیں ہو رہی ہے تو ایک بار پھر انہوں نے غور وخوض

کیا اور آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کے نازیبا طریقے اختیار کیے۔ مثلاً:

مسلمانوں کی تکذیب اور تحقیر کر کے اُن کی دل آزاری کی جائے اور اُنہیں بد دل کر کے اُن کے حوصلے پست کر دیے جائیں۔ اس لیے مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نادار اور یتیم ہونے کا طعنہ دیا اور آپؐ کی شان میں بیہودہ الفاظ استعمال کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ تشریف فرماتے اور آپ کے ارد گرد کمزور اور مظلوم صحابہ کرامؓ موجود ہوتے تو اُنہیں دیکھ کر مشرکین ان کی ہنسی اُڑاتے۔ مشرکین نے اسلام قبول کر لینے والے اپنے غلاموں کو بھی طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اسلام کے خلاف محاذ آرائی

اہلِ قریش نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کرنے شروع کر دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مسخ کرنا، شکوک وشبہات پیدا کرنا، غلط پروپیگنڈہ کرنا، تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضوں کا نشانہ بنانا اور یہ ساری حرکتیں اس شدت سے

کرنا کہ عوام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغِ دین پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ انہوں نے قُرآنِ پاک کے بارے میں یہ کہنا شروع کردیا:

"یہ پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا لیا ہے۔"

مشرکین یہ بھی کہتے کہ "یہ قرآنی آیات تو آپ کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخالفوں کا یہ اعتراض بھی تھا کہ "یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا، پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے"۔

قُرآنِ پاک کی تحقیر

اہلِ قریش کا قُرآنِ پاک کو افسانوں سے تشبیہہ دینا اور لوگوں کو اس میں الجھائے اور پھنسائے رکھنا عام ہوگیا تھا۔ جس صورتِ حال سے قریش دوچار ہوگئے تھے اس کو نضر بن حارث نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"قریش کے لوگو! خُدا کی قسم! تُم پر ایسی اُفتاد آن پڑی ہے کہ تُم لوگ اب تک اس کا کوئی توڑ نہیں لا سکے۔ محمدؐ تم میں جوان تھے تو تمہارے لیے سب سے پسندیدہ

آدمی تھے۔سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ
امانت دار تھے۔ اور اب جب کہ اُنؐ کی کنپٹیوں پر
سفیدی اُبھرنے کو ہے تو تُم کہتے ہو کہ وہ جادُوگر ہیں۔
نہیں ! بخُدا وہ جادُوگر نہیں! قریش کے لوگو! سوچو ! خدا
کی قسم! تُم پر زبردست اُفتاد آن پڑی ہے"۔

۴ھ نبوی میں جب پہلی بار اسلامی دعوت منظرِ عام پر آئی تو مشرکینِ مکہ نے اسے دبانے کے لیے طرح طرح کی کارروائیاں شُروع کیں ۔یہ کارروائیاں تھوڑی دیر اور وقفے وقفے سے انجام دی گئیں ۔ اس میں زیادتی اور شدّت پیدا نہیں کی گئی۔ کچھ دنوں بعد جب یہ دیکھا کہ ان کی کارروائیوں سے اسلام کی دعوت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو پا رہی ہے تو ایک بار پھر قریش جمع ہوئے اور ۲۵ سرداروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور وخوض کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک فیصلہ کن قرار داد پاس کی اور یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت ، پیغمبرِ اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام قبول کرنے والوں کو طرح طرح کے جور وستم اور ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے۔

مشرکینِ مکہ نے یہ قرارداد منظور کر کے اسے رو بہ عمل لانے کا عزم مصمم کرلیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے یہ کام بہت آسان تھا۔ لیکن رسول اللہ باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن سبھی آپ کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ جیسی شخصیت کا سامنا اکرام و احترام سے ہی کیا جاسکتا تھا اور آپ کے خلاف کسی نیچ اور ذلیل حرکت کی جرأت کوئی رذیل اور احمق ہی کرسکتا تھا۔ اس عظمت کے علاوہ آپ کو ابو طالب کی حمایت و سرپرستی بھی حاصل تھی۔ حضرت ابو طالب اس وقت قریش کے سردار تھے اور خاندانی حمیّت کی بنا پر کوئی شخص ان کے خانوادے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اس صُورتِ حال نے قریش کو سخت الجھن اور قلق میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو دعوت ان کی مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سربراہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی آخر اس پر اتنا طویل صبر کب تک؟ بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا آغاز کردیا۔ در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابولہب کا موقف روزِ اوّل سے، جب کہ قریش نے اس طرح کی بات سوچی بھی نہیں تھی، مخالفانہ اور شرانگیز تھا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دُوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس

پہنچا اور انہیں یہ خبر 'خوشخبری' کے انداز میں سنائی کہ محمد نسل بریدہ ہوگئے ہیں۔

ابو لہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے بازاروں اور اجتماعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ طارق بن عبداللہ محاربی سے روایت ہے کہ یہ شخص صرف تکذیب ہی نہیں کرتا تھا بلکہ پتھر بھی مارتا رہتا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیاں خُون آلُودہ ہوجاتی تھیں۔

ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل حرب بن اُمیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ خاصی بدزبان، بدگو اور مفسدہ پرداز تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کرنا، فتنے کی آگ بھڑکانا اور ماحول کو آمادہ بہ جنگ رکھنا اس کا شعار تھا۔ اُمِ جمیل کی ان بیہودہ حرکتوں کو ابولہب کی نازیبا حمایت بھی حاصل تھی۔ ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اور پڑوسی تھا جس کا مکان آپ کے مکان سے ملا ہوا تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُوسرے پڑوسی بھی آپ کو ستاتے تھے۔

اسلام کے مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم قسم کی اذیتیں روا رکھیں

جنھیں آپؐ نے برداشت کیا اور صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔اپنی تبلیغ کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رکھا اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے رہے۔

ہجرتِ حبشہ

مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ اعلانِ نبوت کے چوتھے سال شُروع ہوا جو بتدریج زور پکڑتا گیا۔ یہاں تک کہ اعلانِ نبوت کا پانچواں سال آتے آتے یہ سلسلہ اپنے شباب پر پہنچ گیا اور مسلمانوں کے لیے نہ صرف مکہ میں رہنا دُشوار ہوگیا بلکہ انہیں اس مسلسل جبر و استبداد سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبُور ہونا پڑا۔ یہاں تک کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ جاکر پناہ لینے کا حکم دیا۔وہاں کا بادشاہ، جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا، عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحم دل تھا۔ توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔

اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب ۵ھ نبوی میں صحابہ کرام کے پہلے قافلہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس قافلے میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان ان کے امیر تھے اور ان کے

ہمراہ ان کی بیوی رقیہ بھی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لُوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ ہجرت میں رازداری کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہوسکے۔ رُخ بحرِ احمر کی بندرگاہ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجُود تھیں جو اُنہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو بعد میں جب اُن کی روانگی کا علم ہوا تو اُنہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچ گئے۔ چونکہ صحابہ کرام آگے جاچکے تھے اس لیے انہیں نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ اُدھر مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر سکُون کا سانس لیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ

اِن ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ فی الواقعہ مخالفین اسلام کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کیے گئے اُن واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے

مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں نہایت بلیغ اشارات ہیں۔ چنانچہ اصحابِ کہف کے واقعہ میں یہ درس بھی موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔

"اور جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے دوسرے معبودوں سے الگ ہو گئے تو غار میں پناہ گیر ہو جاؤ۔ تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیزیں تمہیں مہیا کریگا"۔

نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس بھی ہوتے ہیں ۔لہٰذا اس واقعہ میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدّد برپا کیا جا رہا ہے اُس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکشِ مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ اِن ہی مجبور و مقہور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

ذوالقرنین کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

۲۔ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر و شرک کی راہ میں نہیں۔

۳۔ اللہ گاہے گاہے اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑا کرتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس زمانے کے ظالموں سے نجات دلاتے ہیں۔

۴۔ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

۵۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں بہتر کام کیے ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

پھر سورۂ کہف کے بعد سورۂ زُمر کا نزول ہوا جس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے۔

قتل کی تجویز

اسلام کی تبلیغ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باز رکھنے کے سلسلے میں دو بار قریش ابو طالب سے ملے۔ دُوسری بار ملاقات کے وقت عرب رواج کے

مطابق ایک نوجوان کو لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور یہ تجویز رکھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں اس نوجوان کو قبول کر لیجیے۔ یہ آپ کا تابع اور فرماں بردار ہوگا اور آپ کو اپنے بھتیجے کا بدل مل جائے گا۔ اس کے بدلے میں آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔ ہم اسے قتل کر دیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے آباء و اجداد کے دین کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے۔ آپ قریش کے اس بانکے جوان کو قبول کر کے اپنے بھتیجے کو ہمارے سپُرد کر دیں۔ اس طرح ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔

قریش کی اس تجویز کو سُن کر ابوطالب نے کہا کہ خُدا کی قسم! یہ کتنا بُرا سودا ہے۔ تُم لوگ مجھے ایک نوجوان دینے پر آمادہ ہو کہ میں اسے کھلاؤں، پلاؤں، پالوں، پوسوں اور میرے بیٹے کو قتل کرنے کے لیے مجھ سے طلب کرتے ہو! خُدا کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا۔

قریش میں سے ایک نے کہا کہ ہم نے انصاف کی بات کی ہے اور ایک کے بدلے ایک کا سودا کیا ہے۔ اس سے بہتر انصاف کی بات کیا ہوسکتی ہے جو تمہیں ناگوار گزر رہی ہے؟ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے دین کا دشمن بنا ہوا ہے اور پوری قوم کو ایک مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ آپ بھی اسی قوم سے ہیں اور اسی دین کے پیرو ہیں۔

ابو طالب نے کہا کہ بخُدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی بلکہ تُم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تلے ہوئے ہو۔ ٹھیک ہے، تم جو چاہو کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ حافظ ہے۔

ابو طالب سے بات چیت کے بعد جبرو استبداد کا پارہ اور چڑھ گیا۔ ایذا پہنچانے کی شدّت میں اضافہ ہوگیا۔ قریش کے ظلم وستم کے باوجُود جب اِسلام کی تبلیغ کا سلسلہ مسلمانوں کی طرف سے نہ رُکا تو قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنایا۔

لیکن یہی تجویز اور سختیاں مکہ کے دو جانبازوں حضرت حمزہ اور حضرت عُمر کے اسلام قبُول کرنے کا سبب بن گئیں اور ان دونوں کے ذریعہ اسلام کے فروغ میں بے حد تقویت پہنچی۔

اہلِ قریش نے اپنے اس ظالمانہ فیصلے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایذا رسانی کا سلسلہ شدید تر کردیا۔ طرح طرح کے طعنے، تشنے اور دل آزاری کے جتنے بھی طریقے ہوسکتے تھے اُنھوں نے اپنائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلُوکی روا رکھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و استقلال سے حالات کا مقابلہ کیا اور تبلیغِ اسلام کو جاری رکھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہلِ قریش ایک اجتماع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ کو

دیکھتے ہی تمام کے تمام ایک ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور آپ کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ان میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر گلے کے پاس سے پکڑ لی اور چادر کو بل دینے لگا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ جائے اور دم نکل جائے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ میں لگ گئے۔ وہ گلوگیر آواز میں کہتے جاتے تھے۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (ترجمہ: کیا تم لوگ ایک آدمی کو اِس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے)؟ اس کے بعد وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔

ایک دن کا واقعہ ہے جس کی وجہ سے حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ابوجہل کوہِ صفا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت وسست کہا اور ایذا پہنچائی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی کے بعد ابوجہل نے ایک پتھر کا ٹکڑا زمین سے اُٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر دے مارا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لہولہان ہوگیا۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہِ صفا پر واقع اپنے مکان سے ابوجہل کی تمام حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب شکار سے لوٹے تو اس لونڈی نے ابوجہل کی حرکتوں کا تذکرہ ان

سے کیا۔ حضرت حمزہ غصے سے بھڑک اُٹھے۔ آپؓ بہت طاقت ور اور مضبُوط جوان تھے۔ سارا ماجرا سُن کر ایک لمحہ رُکے بغیر مسجدِ حرام میں داخل ہو کر ابوجہل کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بولے کہ تُو میرے بھتیجے کو گالی کیوں دیتا ہے؟ اس کے بعد کمان سے اُس کے سر پر ایسی زور کی ضرب لگائی کہ اس کا سر لہولہان ہوگیا جس کی بنا پر ابوجہل کے قبیلے بنو مخزوم اور حضرت حمزہؓ کے قبیلے بنو ہاشم ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اُٹھے۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہہ کر اپنے قبیلے کو خاموش کردیا کہ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بُری گالی دی تھی اور پتھر مارا تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت حمزہ نے اعلان کردیا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

ابتدا میں حضرت حمزہ کا اسلام قبول کرنا محض حمیت کے طور پر تھا کہ اُن کے عزیز کی توہین کیوں کی گئی۔ لیکن آہستہ آہستہ اُنہوں نے اسلام کا دامن اس مضبُوطی سے پکڑا کہ اسلامی تاریخ آپؓ کے کارہائے نمایاں سے بھری پڑی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ یوں ہے! روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ایک روز دُعا فرمائی:

"اے اللہ! دونوں عمر (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

اور ابوجہل میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ بہتر
ہے اس کے ذریعے اسلام کو قوّت پہنچا"۔

اللہ نے یہ دُعا قبول فرمائی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام قبول کرنے سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دُشمن تھے اور ننگی تلوار لے کر کئی بار اس غرض سے نکلے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن تن سے جُدا کر دیں۔ لیکن انہیں کبھی کامیابی نہیں ملی۔

قریش کا وفد بارگاہِ رسالتؐ میں

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد قریش کے عزائم میں زلزلہ سا آ گیا۔ جبر و استبداد میں کمزوری آ گئی اور اُنہوں نے مصلحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا نمائندہ، جس کا نام عتبہ بن ربیعہ تھا، بھیجا تاکہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و زر اور اسبابِ آسائش کی لالچ دے کر اللہ کی راہ پر چلنے کی دعوت دینے سے باز رکھ سکے۔ لہٰذا عتبہ بن ربیعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا "میرے بھتیجے! میری قوم میں تمہارا جو مرتبہ،

بلند مقام اور جو فضیلت ہے وہ تمہیں خُوب معلوم ہے اور اب تُم اپنی قوم میں ایک ایسا معاملہ لے کر آئے ہو جس پر ہمیں اختلاف ہے۔ لہٰذا تُم میری بات سنو! میں چند باتیں تمہارے گوش گزار کر رہا ہوں۔ ان پر غور کرو۔ ممکن ہے تمہارے اور ہمارے درمیان کوئی مفاہمت کی راہ پیدا ہوجائے اور ہماری نا اتفاقی دُور ہو کر اہلِ قریش کی ہمدردیاں ایک دوسرے کے لیے مفید ثابت ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کی باتیں سنیں اور فرمایا "کہو! میں سُنوں گا"۔

"میرے بھتیجے! تُم جو کہتے ہو اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ تم مال و زر حاصل کر کے امیر و کبیر بن جاؤ تو ہم تمہارے لیے اتنا مال و زر فراہم کر دیتے ہیں جو تمہارے گمان سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اگر تُم اعزاز و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں۔ ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ہر فیصلے کو تسلیم کریں گے اور اگر تُم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے عوض ہم تُم سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تم ہماری بُت پرستی کے بارے میں کچھ نہ بولو اور تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے اسے ترک کر دو۔ تم ہم میں سے ہو اور ہم جیسے ہو۔ تم بھی ویسا ہی کرو جیسا تمہارے آباء و اجداد کرتے تھے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کی تمام باتیں سنیں اور فرمایا، ''میرا دین اور میرا راستہ صادق ہے۔ اور تمہارا راستہ اللہ کو ناپسند ہے۔ اس راہ میں مال و زر، بادشاہت اور جاہ وجلال کا کیا مقام ہے؟ کُچھ بھی نہیں !'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلامِ پاک کی اس آیت کا ذکر کیا جس میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے ''قرآن ان لوگوں کے لیے' جو علم رکھتے ہیں' بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے یہ بھی فرمایا، ''تمہیں جو کچھ سُنتا تھا سُن چکے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے''۔

عتبہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی رُوداد سے آگاہ کیا۔ عتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہوکر لوٹا تھا۔اُس نے اپنے ساتھیوں کو ان الفاظ میں اپنے ذاتی تاثرات سے بھی آگاہ کیا۔

''خُدا کی قسم! وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ شاعر ہے نہ جادُوگر۔ قریش کے لوگو! میری رائے یہ ہے کہ محمد کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تُم خاموشی اختیار کر کے ایک طرف ہوجاؤ۔ خُدا کی قسم ! میں نے محمد کی ذات میں جو کچھ پایا اور محسُوس کیا وہ میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کی پُشت پر کوئی بہت بڑی طاقت ہے۔ اگر اسے تُم لوگوں نے مار ڈالا تو ہوسکتا ہے کہ تمہارا انجام بھی بُرا ہو اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے

ارادے اور مشن میں کامیاب ہوگئے تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہوگی، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور اس کا وجُود تمہارے لیے عزت و وقار کا باعث ہوگا کیونکہ وہ ہم لوگوں میں سے ہے“۔

عتبہ کے تاثرات سُن کر قریش میں سے ایک نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ تُو بھی اس کے جادُو کی زد میں آچکا ہے۔ جواب میں عتبہ نے کہا کہ محمد کے بارے میں میری رائے یہی ہے۔ اب تمہیں جو اچھا لگے وہی کرو۔

ابوطالب کی وفات

ابوطالب جب ۱۰ سنہ نبوی میں بیمار ہوئے تو علاج کارگر نہ ہوا۔ بالآخر ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات ”شعبِ ابی طالب“ کی محصوری کے خاتمے کے چھ ماہ بعد ماہِ رجب میں ہوئی۔ ابو طالب کی وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بہت ہی جاں گداز اور روح فرسا حادثہ تھا کیونکہ انہوں نے جس طرح آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہوکر آلام و مصائب کا مقابلہ کیا اُس کو بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بھُول سکتے تھے۔

ابوطالب کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بھی موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا ”چچا جان ! آج آپ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیجیے۔ بس ایک کلمہ جس

کے ذریعے میں اللہ کے پاس آپ کے لیے شفاعت کرسکوں۔" اس کے جواب میں ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کرتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے ؎

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَلَامَۃُ اَوْحِذَارُ مُسَبَّۃٍ
لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاکَ مُبِیْنًا

ترجمہ: "میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔ اگر ملامت و بدگوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔"

اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ وسلم کی حمایت اور حفاظت و مدد کی تھی اور کفارِ مکہ کے مقابلہ میں خاندانی حمیت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا اور آخر کار خاتمہ مشرکینِ قریش کے عقیدے پر ہوا۔

حضرت بی بی خدیجہ کی وفات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابو طالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے (رمضان ۱۰ھ نبوی) رحلت فرما گئیں۔

وفات کے وقت اُم المومنین حضرت خدیجہ کی عمر ۶۵ برس تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالےٰ کی بڑی گراں قدر نعمت تھیں۔ وہ کم و بیش ۲۵ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں۔ جب رنج وقلق کا وقت آتا تو اُم المومنین آپ کے لیے تڑپ اٹھتیں اور تمام مشکل اور نامساعد حالات میں آپ کا حوصلہ بلند رکھتیں۔ تبلیغِ اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتیں۔ وہ ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگساری کرتی تھیں۔ اس لیے ابوطالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے۔ اس سے آپ کے قلبِ نازک پر اتنا عظیم صدمہ گذرا کہ آپ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' (غم کا سال) رکھ دیا۔

طائف کا سفر

ابوطالب کے بعد ابولہب قبیلۂ قریش کے سردار بنے۔ وہ ابتدا ہی سے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوراسلام کے مخالف تھے۔ مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے آپؐ نے تبلیغِ اسلام کے لیے مکہ کے قرب وجوار کی بستیوں کا رُخ کیا۔ چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کی دوری پر واقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر پیدل طے کیا۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں جو آبادی آتی وہاں کے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور مالدار لوگ رہتے تھے۔ ان رئیسوں میں عُمیر کا خاندان تمام قبائل کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ مگر اِن تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس روز قیام فرمایا۔ وہاں جتنے قبائل آباد تھے ہر ایک کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ یہی نہیں بلکہ اپنے قبیلے کے اوباشوں اور بدتمیزوں کو شہ دے

دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی کریں۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا ارادہ کیا تو یہ اوباش مذاق اُڑاتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ عایہ وسلم جس راستے سے واپس مکے کی طرف لوٹ رہے تھے اُس کے دونوں طرف اہلِ طائف قطار باندھے کھڑے تھے اور اوباشوں کی نازیبا حرکتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ وہ نہ صرف اُن کی آواز میں آواز ملا رہے تھے بلکہ پتھر کے ٹکڑے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن حارثہ پر پھینک رہے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک کئی جگہ سے لہولہان ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس پر خُون کے دھبے نظر آنے لگے۔ حضرت زید بن حارثہ آپ کے لیے ڈھال بن کر پتھروں کو روک رہے تھے اور خود بھی بُری طرح زخمی ہوگئے تھے۔ آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باغ میں پناہ لی جو طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پناہ لی تو بھیڑ واپس چلی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد غمگین، نڈھال، ملول اور افسردگی کی حالت میں اس باغ میں کھڑے تھے۔ قدرے اطمینان ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے رجوع ہوئے اور دُعا فرمائی جو ''دُعائے مستضعفین'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس دُعا

کے ایک ایک فِقرے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر دل فگار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احساسات پر خوف، الم وغم اور افسوس کا کس قدر غلبہ تھا۔

بڑھے انبوہ در انبوہ پتھر لے کے دیوانے
لگے بارانِ سنگ اس رحمتِ عالم پہ برسانے
وہ ابرِ لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے
وہ سینہ جس کے اندر نُورِ حق مستور رہتا تھا
وہی اب شق ہوا جاتا تھا اس سے خُون بہتا تھا
فرشتے جن پر آ آ کر جبینِ شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنیں زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
بشر کی عیب پوشی کے لیے جس کو اُتارا تھا
بشر کی چیرہ دستی سے وہ دامن پارا پارا تھا
حضورؐ اس جور سے جب چُور ہو کر بیٹھ جاتے تھے
شقی اس وقت بازو تھام کر اُوپر اٹھاتے تھے
مگر اس حال میں جب تک زباں دیتی رہی یارا
دُعائے خیر ہی کرتا رہا اللہ کا پیارا

بالآخر جان کر بے جان ان لوگوں نے منہ موڑا
لہو میں اس وجودِ پاک کو لتھڑا ہوا چھوڑا
غلامِ باوفا زید ابنِ حارث ڈھونڈتا آیا
متاعِ نُور کو طائف سے کندھوں پر اُٹھا لایا
حدِ نخلہ میں آ پہنچا بحالِ خستہ و غمگیں
وہاں چشمے پہ لاکر زخم دھوئے، پٹیاں باندھیں
کہا سرکار ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کیجئے
شکایت اس جفا و جور کی پیشِ خدا کیجئے
زمیں کو حکم دیجئے پھٹ پڑے ان کینہ کاروں پر
بجائے آب، برسے آگ طائف کی بہاروں پر
جناب رحمۃ للعالمین نے یہ سُن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا
اگرچہ لوگ آج اسلام پر ایماں نہیں لاتے
خدائے پاک کے دامانِ وحدت میں نہیں آتے
مگر نسلیں ضرور ان کی اسے پہچان جائیں گی
درِ توحید پر اِک روز آکر سر جھکائیں گی
میں ان کے حق میں کیوں قہرِ الٰہی کی دُعا مانگوں
بشر ہیں، بے خبر ہیں، کیوں تباہی کی دُعا مانگوں

یہ فرما کر نبیؐ نے ہاتھ اُٹھا کر اک دُعا مانگی
خدا کا فضل مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی

دُعا مانگی! الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر انہیں نُورِ ہدایت دے

جہالت ہی نے رکھا ہے صداقت کے خلاف ان کو
بے چارے بے خبر، انجان ہیں، کردے معاف ان کو

الٰہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھُول برسا پتھروں والی زمینوں پر

اس دُعا کے کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ کے ساتھ باغ سے باہر تشریف لائے اور مکے کی طرف چل پڑے۔ رنج والم کی شدّت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد نڈھال تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ لیکن آپؐ نے اہلِ طائف کے لئے بددُعا نہیں کی بلکہ فرمایا "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اخلاقی عظمت کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہر حال اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ کا دل مطمئن اور شاد ہوگیا اور رنج و آلام کے سارے بادل چھٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف سفر شروع کیا اور وادیٔ نخلہ پہنچ کر قیام کا ارادہ فرمایا کیونکہ یہ جگہ شاداب قیام کے لیے موافق تھی۔

وادیٔ نخلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام چند روز رہا۔ اسی دوران اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے، ایک سورۃ الاحقاف میں اور دوسری جگہ سورۂ جن میں۔

یہ دونوں سورتیں جو اس واقعے کے بیان کے سلسلے میں نازل ہوئیں، ان سے علم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں جنوں کی اس جماعت کا علم نہ ہوسکا تھا بلکہ جب ان آیات کا نزول ہوا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کی جماعت کی آمد کا علم ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی یہ آمد پہلی بار ہوئی تھی اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ جنوں کی آمد اور ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ کی جانب سے دوسری مدد تھی جو اللہ نے اپنے غیبی خزانے کے ذریعے سے فرمائی تھی۔

اس نصرت اور ان بشارتوں کے رونما ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی وہ تمام کلفتیں جو طائف میں پیش آئی تھیں اور جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل پاش پاش ہوگیا تھا وہ سب دُور ہوگئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار پھر نئے عزم وحوصلے کے ساتھ مکہ کی جانب چل پڑے۔

حضرت زید بن حارثہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کیسے جائیں گے جب کہ اہلِ مکہ نے آپ کو وہاں سے نکال دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبیؐ کو دشمنانِ اسلام پر غالب فرمائے گا۔''

مقامِ نخلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز قیام فرمایا۔ پھر آپ مقامِ ''حرا'' میں تشریف لے آئے اور قریش کے ایک ممتاز سردار مطعم بن عدی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو؟ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی سے حمایت یا پناہ طلب کرتا تو وہ خواہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو، وہ پناہ دینے سے انکار نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم لوگ ہتھیار باندھ کر حرم میں جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی مطعم بن عدی خود گھوڑے پر سوار ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ مکہ لایا۔ پھر حضورؐ کو حرمِ کعبہ میں اپنے ساتھ لے کر گیا اور مجمعِ عام میں اعلان کردیا

کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کے ساتھ حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کا طواف کر کے حرم میں نماز ادا کی۔ جب حضورؐ نماز ادا کر چکے تو مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سائے میں آپ کو آپ کے دولت خانہ تک پہنچا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم بن عدی کے حُسنِ سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ جنگِ بدر میں جب کفارِ مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی تو بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے درخواست کی گئی اور جب یہ درخواست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت زُبیر بن مطعم نے پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر مطعم بن عدی آج زندہ ہوتا اور مجھ سے ان لوگوں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا"۔

قبائل میں تبلیغِ اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جبکہ دُور دُور کے عرب قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو آپ ان قبائل کے درمیان دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اسی طرح عرب میں جا بجا بہت

سے میلے لگتے تھے جن میں دُور دراز کے قبائلِ عرب جمع ہوتے تھے۔ اُن میلوں میں بھی آپ تبلیغِ اسلام کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔اس طرح آپ نے تقریباً سارے مشہور قبیلوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔مگر آپؐ کا چچا ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور جب آپ کسی قبیلہ کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر کہتا کہ'' یہ دین سے پھر گیا ہے۔ یہ جھوٹ کہتا ہے''۔

مدینہ میں اسلام کیسے پھیلا؟

۱۱ھ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے مِنیٰ تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی آیتیں سُنا سُنا کر لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرنے لگے۔ جس وقت آپ مِنیٰ میں عقبہ(گھاٹی) کے مقام پر، جہاں پر آج ''مسجد العقبہ'' ہے، تشریف فرما تھے کہ 'قبیلۂ خزرج' کے چھ آدمی آپ کے پاس آئے۔آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام و نسب دریافت فرمایا۔پھر قرآن کی چند آیتیں سُنا کر اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر آپس میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس آخری نبی کی خوشخبری دیتے رہتے ہیں یقیناً وہ نبی یہی ہیں۔ یہ کہہ کر کہ کہیں یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول نہ

کرلیں، وہ سب ایک ساتھ مسلمان ہوگئے اور مدینہ جاکر اپنے اہلِ خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

بیعتِ عقبہٗ اولیٰ

دوسرے سال یعنی ۱۲ھ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اُسی گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ تاریخِ اسلام میں اس بیعت کا نام ''بیعتِ عقبہٗ اولیٰ'' ہے۔

اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اسلام کی تعلیم کے لیے کوئی معلّم بھی اُن لوگوں کے ساتھ کردیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ وہ مدینہ میں سعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ہر گھر میں جاکر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ پھر کیا تھا! روزانہ ایک دو لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے 'قباء' تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

بیعتِ عقبہٗ ثانیہ

اس کے ایک سال بعد ۱۳ھ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً بہتّر (۷۲) آدمیوں نے منیٰ کی اسی گھاٹی میں اپنے بُت پرست ساتھیوں

سے چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو! محمد اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح سے محترم اور باعزت ہیں۔ ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلے سینہ سپر ہوکر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے۔ اب تم لوگ اگر ان کو اپنے وطن لے جانے کے خواہشمند ہو تو سُن لو! اگر مرتے دم تک تم لوگ اِن کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہ سُن کر براء بن عازب رضی اللہ عنہ طیش میں آکر کہنے لگے کہ "ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں"۔ حضرت براء بن عازب اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں سے یہودیوں کے پُرانے تعلقات ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹُوٹ جائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو۔ تمہارا خُون میرا خُون ہے۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن ہے اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔ (سیرت ابنِ ہشام وزرقانی)

ہجرتِ مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی ۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ مگر جب کفارِ قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کردی لیکن چھپ چھپا کر ہجرت کا سلسلہ جاری رہا۔ صرف وہی حضرات مکہ مکرمہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

مشرکینِ مکہ کی کانفرنس

جب مشرکینِ مکہ نے یہ دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہوگئے ہیں اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے، تو مشرکینِ مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی کردیں۔ چنانچہ اِس خطرہ کا سدِ باب کرنے کے لیے انہوں نے ایک

بہت بڑی کانفرنس منعقد کی ۔مشرکینِ مکہ کا شاید ہی ایسا کوئی دانشور اور نمائندہ ہو جو اس کانفرنس میں نہ شریک ہوا ہو۔ اس کانفرنس میں یوں تو کئی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن ابوجہل کی اِس خُونی رائے پر اتفاق ہوا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد کو قتل کر ڈالیں۔ اِس سے خُون کرنے کا جُرم تمام قبیلوں پر عائد ہو گا اور خاندانِ بنی ہاشم اِس خُون کا بدلہ لینے کے لیے تمام قبیلوں سے لڑنے کی ہمت نہیں کرسکیں گے ۔لہٰذا وہ ''خُوں بہا'' (خُون کا بدلہ) لینے پر راضی ہوجائیں گے اور ہم لوگ مل جُل کر آسانی کے ساتھ ''خُوں بہا'' کی رقم ادا کردیں گے۔تمام شرکائے کانفرنس نے اتفاق رائے سے ابوجہل کی یہ تجویز منظور کرلی۔

ہجرتِ رسولؐ کا واقعہ

جب مشرکینِ مکہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے اپنی کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے گھروں کو چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرما دی ہے۔حضرت ابوبکر نے پہلے

سے ہی سفر کی تیاری کرلی تھی۔ سفر کے سارے انتظامات مکمل کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

مشرکینِ مکہ حضور کے بدترین دشمن تھے لیکن اس کے باوجود آپ کے امین اور دیانت دار ہونے پر ان کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال واسباب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اُس وقت بھی بہت سی امانتیں آپ کے مکان میں تھیں۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

غارِ ثور کا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور میں چھپ گئے۔ مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے۔ اُنہوں نے مکہ اور اس کے اطراف کا چپّہ چپّہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ مگر غار کے منہ پر اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے

تھے۔ یہ دیکھ کر مشرکینِ قریش آپس میں کہنے لگے کہ اگر اِس غار میں کوئی موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا بنتی اور نہ کبوتری انڈے دیتی۔

سو اونٹوں کا انعام

اُدھر اہلِ مکہ نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹوں کا انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کی لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ کی تلاش شروع کر دی۔ کچھ لوگ تو منزلوں دُور تک تعاقب میں بھی گئے مگر کسی کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

شہنشاہِ رسالتؐ مدینہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی۔ اہلِ مدینہ آپ کے دیدار کے لیے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ آپ کی آمد کی خبر ملتے ہی تمام انصار اپنے بدن پر ہتھیار سجا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرۂ تکبیر کی آواز سے پُورا شہر گونج اُٹھا۔

تمام قبائلِ انصار جو راستہ میں تھے، انتہائی جوشِ مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لے چلیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو یہی جواب دیتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو۔ جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اُسی جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ جس جگہ آج مسجدِ نبوی ہے اِس کے پاس حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ پھر حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اُٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ انہوں نے تقریباً سات مہینے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجدِ نبوی اور اُس کے آس پاس کے حُجرے تیار ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن حجروں میں قیام پذیر ہوگئے۔

حضورؐ کی مدنی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پوری طرح جدوجہد کے ایک طویل سلسلہ پر مبنی ہے۔ جیسا کہ آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بے کسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے۔ اس لیے ہونا تو یہ چاہیے

تھا کہ کفار و مشرکینِ مکہ اب اطمینان کا سانس لیتے کہ اُن کے دشمن یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھی شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مشرکینِ مکہ کے غیظ وغضب کا پارہ اِتنا چڑھ گیا کہ یہ لوگ مدینہ والوں کے بھی جانی دشمن بن گئے۔ اُنہوں نے ہجرت کے چند روز بعد رئیس انصار عبداللہ بن ابی کے پاس دھمکیوں سے بھرا ہوا ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ:

"تم نے ہمارے آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اُن کو قتل کر دو یا انہیں مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کردیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کردیں گے"۔

واضح ہو کہ عبداللہ بن ابی وہی شخص ہے جسے واقعۂ ہجرت سے پہلے مدینہ والوں نے اپنا حاکم تسلیم کرلیا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہوگئی۔ چنانچہ اِسی غم وغصہ میں وہ اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ مکہ کے اِس خوفناک خط کی خبر معلوم

ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے؟'' چونکہ اکثر انصار دامنِ اسلام میں آچکے تھے، عبداللہ بن ابی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور مشرکینِ مکہ کے حکم پر عمل نہیں کرسکا۔

ٹھیک اُسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے، عمرہ کرنے کے لیے مدینہ سے مکہ گئے۔اُنھوں نے پُرانے تعلقات کی بنا پر اُمیہ بن خلف کے مکان پر قیام کیا۔جب اُمیہ ٹھیک دوپہر کے وقت اُن کو ساتھ لے کر طواف کر رہے تھے تو اچانک ابوجہل سامنے آگیا اور اُمیہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے سعد بن معاذ ہیں۔یہ سُن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔پھر اُس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم! اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جاسکتے تھے۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرأت و دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہمیں کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔

لیکن مشرکینِ مکہ پر نہ تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اِس دھمکی کا

کوئی اثر ہوا اور نہ ہی انہوں نے اپنی ہی دھمکیوں پر بس کیا، بلکہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا منصوبہ بنانے لگے۔اِن حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام پہرہ دیا کرتے تھے۔ مشرکینِ مکہ نے اپنے رسوخ کی وجہ سے تمام قبائلِ عرب میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھی مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا ضروری ہے۔

اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اُن کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ مشرکین کی طرف سے پہنچائی جانے والی ایذاؤں پر صبر کریں۔ یہی وجہ تھی کہ مشرکینِ مکہ نے اسلام قبول کرنے والوں پر بڑے بڑے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے لیکن مسلمانوں نے انتقام کے لیے کبھی ہتھیار نہیں اٹھائے بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ مشرکینِ مکہ کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے۔

مگر جب حالت یہاں تک پہنچی کہ سارا عرب اور یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دینے کا عزم کر لیا تو خداوند قدوس نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ اجازت دے دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتدا کریں اُن سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔ اس سلسلہ میں ۱۲/ صفر ۲ ؁ھ کو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ (جن سے لڑائی کی جاتی ہے اُن (مسلمانوں) کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے)۔

اس طرح ۲ ؁ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت عطا فرما دی لیکن اِبتدا میں یہ اجازت مشروط تھی۔ یعنی صرف اُن ہی کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اِس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں۔ لیکن حق واضح ہوجانے کے بعد چونکہ تبلیغِ حق اور احکامِ الٰہی کی نشر واشاعت حضور صلی اللہ علیہ پر فرض تھی اس لیے اُن تمام کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، جہاد کا حکم نازل ہوگیا۔

لفظِ جہاد جہد سے مشتق ہے ۔ جہاد اور مجاہدہ کا مادہ جہد ہے۔ جس کے معنی ہیں کوشش، محنت، سعی، صحیح جدو جہد۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں اس کی طلب میں اس کی رضا کے لیے جو بھی جہاد و مجاہدہ اور جو بھی کوشش کی جائے وہ محمود و مستحسن ہے اور ایسی جدوجہد کرنے والے کی راہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کشادہ فرما دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

اور جنھوں نے ہماری راہ میں جہاد (کوشش) کیا ہم انھیں ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے۔ اور اللہ نیک کاروں کے ساتھ ہے(پارہ ۲۱، سورہ عنکبوت آیت ۶۹)۔

جہاد صرف تلوار سے جنگ کرنے کا نام نہیں ہے ۔ اسے سمجھنے اور سمجھانے میں بہت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاد کا حقیقی مفہوم اور پھر اس کی تفصیلات کو احادیث کی روشنی میں گہری نظر سے دیکھا جائے ۔

مشقت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ سخت جدوجہد اور پوری کوشش کرنے کے مفہوم میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ اس لفظ کے معنی قرآن مجید میں کہیں بھی غیر مسلموں سے محض لڑائی کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں ۔دین کی راہ میں جانی اور مالی قربانی کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

جہاد کی بنیادی شرط اللہ تعالیٰ کے حکم کی برتری ہے ۔اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان خود اپنی ذاتی اور سماجی زندگی میں اللہ کے حکم کی برتری کا مظاہرہ کریں۔ملت کو منظم کریں ۔ دوسروں کے آگے دین کو بصد اخلاق اور عمدہ طریقہ پر پیش کریں اور تبلیغ اس طرح کریں کہ حجت قائم ہوجائے۔ اس کام میں جو بھی دشواریاں اور رکاوٹیں ہوں ان کو برداشت کریں۔ پوری

طاقت سے جدوجہد کریں اور کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں۔ رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش بھی جہاد ہے۔ اگر ناگزیر صورت پیدا ہوجائے اور اللہ کے حکم کی برتری میں رکاوٹ پیدا ہو تب آخری تدبیر کے طور پر تلوار اٹھائیں۔ آخر تک جدوجہد محض اللہ کے لئے ہو۔ ذاتی جذبہ یا مفاد بالکل پیشِ نظر نہ ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح عقائد و نظریات، صحت مند افکار و خیالات کے ساتھ شخصی و ذاتی اغراض اور شہرت و نمائش سے بے لوث ہوکر محض رضائے الٰہی کی نیت سے حق و صداقت، انسانی شرف و عظمت، اعلیٰ سیرت و کردار اور امن و سلامتی کے قیام و فروغ کے لیے جب اور جس وقت جو بھی جدوجہد کی جائے، اُسی کا نام جہاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اگر پُورے ماحول کو بغور اور گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے سر پر مسلط کی گئیں۔ نتیجہ کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مسلمانوں کو بھی تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑا۔

اِس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا تقریباً کل زمانہ غزوات و سرایا

کے اہتمام و انتظام میں گذرا ۔واضح رہے کہ مصنفین سیرت کی اصطلاح میں اُس جنگی لشکر کو ''غزوہ'' کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے اور جنگی لشکروں کی وہ ٹولیاں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہوئے ، اُن کو ''سرایا'' کہتے ہیں۔

جن جنگی لشکروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے اُن کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے۔بعض نے غزوات کی تعداد ''ستائیس''، بعض نے ''چوبیس''، بعض نے ''پچیس''، بعض نے ''چھبیس'' اور بعض نے ''انتیس'' لکھی ہے۔ اُن میں سے ''آٹھ'' غزوات میں جنگیں بھی ہوئیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) جنگِ بدر (۲) جنگِ اُحد (۳) جنگِ احزاب (جنگِ خندق) (۴) جنگِ بنو قریظہ (۵) جنگِ بنوالمصطلق (۶) جنگِ خیبر (۷) جنگِ حنین (۸) جنگِ طائف

جن جنگی لشکروں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لے گئے اُن کی تعداد کے بارے میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔بعض نے ان کی تعداد ''سینتالیس'' اور بعض نے ''چھپن'' لکھی ہے۔

لیکن غزوات و سرایا کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہیں یعنی ''انتیس'' غزوات اور ''سینتالیس'' سرایا ، اگر اُن کو بھی گنیں تو ان کی کل تعداد چھیاسٹھ

ہوتی ہے۔ گویا کہ ''نو'' سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹی بڑی چھیاسٹھ لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے وجوہ و اسباب اوران کا پُورا پُورا حال اسلامی تاریخوں میں مذکور ومحفوظ ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ کاملہ کا نتیجہ تھا کہ ۲۳؍سال کی مدت کے ان تمام معرکوں میں جن کا آپ کومجبوراً سامنا کرنا پڑا، تقریباً ۹۰۰ صحابی شہید اور غیر مسلموں کے تقریباً ۱۸۰۰ افراد قتل ہوئے۔ اس طرح تین ہزار سے کم جانیں ضائع ہوئیں اوراسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا۔

قبلہ کی تبدیلی سے لے کر نماز کی رکعتوں میں اضافہ اور روزہ و زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام کے علاوہ بیشتر اہم شرعی احکام وقرآنی آیات کا نزول بھی اسی یعنی ہجرت کے دوران ہوا۔ اِسی دوران، یعنی ہجرت کے چھٹے سال، ''بیعت الرضوان'' اور ''صلح حدیبیہ'' کے واقعات ہوئے جن کی اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلام کی آئندہ تمام ترقیوں کا راز اِن ہی کے دامن سے وابستہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ بظاہر مغلوبانہ سمجھی جانے والی اِس ''صلح حدیبیہ'' کو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''فتح مبین'' کا لقب عطا فرمایا۔

روایات وتاریخ کے مطابق ذی قعدہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

چودہ سو (۱۴۰۰) صحابۂ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس بات کا اندیشہ تھا کہ شاید کفارِ مکہ آپ کو عمرہ ادا کرنے سے روکیں گے۔لہٰذا آپ نے پہلے ہی قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیج دیا تاکہ وہ کفارِ مکہ کے ارادوں کی خبر لائے۔ جب آپ کا قافلہ مقامِ ''عسفان'' کے قریب پہنچا تو یہ خبر آئی کہ کفارِ مکہ نے تمام قبائل عرب کو جمع کرکے یہ کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو ہرگز ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

بیعت الرضواں

''حدیبیہ'' کے مقام پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پڑاؤ ڈالا تو دیکھا کہ کفارِ قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کے لیے آمادہ ہے۔اِدھر یہ حال تھا کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ نے کفارِ مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیرِ مطلق بنا کر مکہ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔اُنہوں نے مکہ پہنچ کر کفارِ قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی وجاہت اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفارِ قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔یہی وجہ تھی کہ کفارِ قریش

اُن کے ساتھ کوئی دراز دستی نہیں کر سکے بلکہ اُن سے یہ کہا کہ آپ اپنا عمرہ ادا کرلیں مگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کو ساتھ لیے بغیر اکیلے عمرہ کرنے سے انکار کردیا۔ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان کی خاطر مدارات کیں اوراس طرح اُن کا قیام بڑھ گیا۔ اُدھر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کفارِ قریش نے اُن کو شہید کردیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے یہ فرمایا کہ عثمان کے خُون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اِس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جاں نثار رہو گے۔ صحابۂ کرام نے نہایت جوش و ولولہ کے ساتھ جاں نثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخِ اسلام میں ''بیعت الرضواں'' ہے۔

لیکن ''بیعت الرضواں'' ہو جانے کے بعد پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ و سلامت تھے۔ پھر وہ بخیر و عافیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر بھی ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بیعت اور اُس درخت کا تذکرہ قرآنِ کریم کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِ یْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِ یْھِمْ (یقیناً جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)۔

صلحِ حدیبیہ کیونکر ہوئی

حدیبیہ میں سب سے پہلا شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بُدیل بن ورقا خزاعی تھا۔ اُس کا قبیلہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف اور انتہائی مخلص و خیرخواہ تھا۔ بُدیل بن ورقا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کفارِ قریش نے کثیر تعداد میں فوج جمع کرلی ہے۔ وہ آپ سے جنگ کریں گے اور آپ کو خانۂ کعبہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نہ تو جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور نہ ہی جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کو کافی

جانی ومالی نقصان پہنچ چکا ہے ۔لہٰذا اُن کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ جنگ نہ کریں۔

بُدیل بن ورقا آپؐ کا یہ پیغام لے کر کفارِقریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں محمد کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں اُن کا پیغام تم لوگوں کو سنا دوں۔کفارِ قریش کے شرارت پسند لونڈے، جن کا جوش اُن کے ہوش پر غالب تھا، شور مچانے لگے کہ نہیں، ہرگز نہیں۔لیکن کچھ سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے پیغام سنانے کی اجازت دے دی۔اُس کے بعد بُدیل بن ورقا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ صُلح کو اُن لوگوں کے سامنے پیش کردیا۔آپ کے پیغامِ صُلح کو سُن کر قبیلۂ قریش کا ایک بہت ہی معمّر اور معزز سردار عروہ بن مسعود کھڑا ہوگیا اور اُس نے کہا کہ اے قریش! کیا میں تمہارا باپ نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں! پھراُس نے کہا کہ کیا تم لوگ میرے بچے نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں! پھر اُس نے کہا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا کہ ہرگز نہیں! اُس کے بعد عروہ بن مسعود نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت ہی سمجھداری اور بھلائی کی بات پیش کی ہے۔لہٰذا تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں اُن سے مل کر معاملات طے کروں۔سب نے اجازت دے دی کہ بہت اچھا! آپ جایئے ۔عروہ بن مسعود وہاں سے چل کر حدیبیہ کے میدان

میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ بدیل بن ورقا کی معرفت آپ کا پیغام صلح ہمیں ملا۔اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ نے لڑکر قریش کو برباد کر کے دنیا سے نیست و نابود کردیا تو کیا آپ سے پہلے کسی عرب نے اپنی قوم کو برباد کیا ہے؟ اور اگر لڑائی میں قریش کا پلڑا بھاری رہا تو آپ کے ساتھ جو یہ لشکر ہے، میں اُن میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صبر و ضبط کی تاب نہ رہی ۔اُنہوں نے تڑپ کر کہا کہ اے عروہ، چُپ! کیا ہم اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

عروہ بن مسعود نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ابوبکر ہیں۔عروہ بن مسعود بولا، ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔اے ابوبکر! اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا، جس کا بدلہ میں تجھ کو اب تک نہیں دے سکا، تو میں تیری اِس تلخ کلامی کا جواب دیتا۔''

بہر کیف دورانِ گفتگو اس طرح کے متعدد مراحل سامنے آئے۔عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز محبت وعقیدت کا جو منظر دیکھا اُسے اُس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر بیان کردیا۔عروہ بن مسعود کی گفتگو سُن کر بنی کنانہ کے ایک شخص نے جس کا نام ''حلیس'' تھا،

کہا کہ تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں ان کے پاس جاؤں۔قریش نے اُسے بھی اجازت دے دی۔اِس طرح کئی لوگ حدیبیہ کے میدان میں آئے اور واپس چلے گئے ۔آخر میں سہیل بن عمرو آیا اور اُس نے آتے ہی کہا کہ آیئے! ہم آپس میں اپنے اورآپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو ہوتی رہی۔بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . اِس پر سہیل نے کہا کہ ہم رَحْمٰن کونہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ بِسْمِكَ اَللّٰهُمَّ لکھوایئے جو ہمارا اورآپ کا پرانا دستور رہا ہے ۔مسلمانوں نے کہا کہ ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے علاوہ دوسرے الفاظ نہیں لکھیں گے۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اے علی! بِسْمِكَ اَللّٰهُمَّ ہی لکھ دو۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبارت لکھوائی " هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر قریش کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نے صلح کا فیصلہ کیا) سہیل پھر بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ "اگرہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہی آپ کے ساتھ جنگ کرتے۔اس لیے آپ 'محمد بن عبداللہ' لکھیے۔" آپ نے فرمایا۔"خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن

عبداللہ بھی ۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔" یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ 'محمد رسول اللہ' کو مٹادو اور اس کی جگہ 'محمد بن عبداللہ' لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ کا فرماں بردار ہوسکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ سچے محبّ کو بھی اپنے محبوب کی فرماں برداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں لفظ 'محمد رسول اللہ' کو ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ 'رسول اللہ' کو اپنے ہاتھ سے مٹادیا۔ بہرحال صلح کی تحریر مکمل ہوگئی جس میں یہ طے پایا کہ

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

(۳) تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں اور تلوار بھی نیام کے اندر ہو۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں اُن میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اُس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو واپس کردیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(٦) قبائلِ عرب کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، دوستی کا معاہدہ کرلیں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے خلاف تھیں اور صحابۂ کرام کو اس پر ناگواری ہو رہی تھی۔مگروہ فرمانِ رسالت کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے۔جب صلح نامہ مکمل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کوحکم دیا کہ اُٹھو! قربانی کرو اور سر مُنڈا کر احرام کھول دو۔ مسلمانوں کی ناگواری اورمایوسی کا یہ عالم تھا کہ فرمانِ نبوی سُن کر ایک شخص بھی نہیں اُٹھالیکن ادب کے لحاظ سے کوئی ایک لفظ بول بھی نہ سکا۔آپ نے بی بی اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے اِس کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ بھی نہ کہیں اور آپ خُود اپنی قربانی کرلیں اور بال ترشوالیں۔چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔جب صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کرکے احرام اُتارتے دیکھ لیا تو سب لوگ مایوس ہو گئے کہ اب آپ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتے ۔لہٰذا سب لوگ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال تراشنے لگے۔

گو اُس وقت اِس صلح نامہ کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان تشویش اور اضطراب تھا مگر اُس کے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہی صلح درحقیقت تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی اور سب نے تسلیم کرلیا کہ واقعی صلحِ حدیبیہ ایک ایسی فتحِ مبین تھی جو مکہ میں اشاعتِ اسلام بلکہ فتحِ مکہ کا ذریعہ بن گئی۔ اب تک مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مگر اِس صلح کی وجہ سے ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت، آزادی کے ساتھ گفت وشنید اور تبادلۂ خیالات کا راستہ کھل گیا۔ کفار مدینہ آتے اور مہینوں ٹھہر کر مسلمانوں کے کردار و اعمال کا مطالعہ کرتے۔ اسلامی مسائل اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ سنتے۔ پھر جو مسلمان مکہ جاتے وہ اپنے چال چلن، عفت شعاری اور عبادت گذاری سے کفار کے دلوں پر اسلام کی خوبیوں کا ایسا نقش بٹھا دیتے کہ خود بخود کفار اسلام کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے۔ مورخین بتاتے ہیں کہ صلحِ حدیبیہ سے فتحِ مکہ تک اِس قدر کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے کہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔

فتحِ مکہ

یہ وہ فتح عظیم ہے جس کے ذریعے اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزت بخشی اور خانۂ کعبہ کو، جسے دنیا والوں کے لیے ہدایت کا وسیلہ بنایا ہے، مشرکین کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ فتحِ مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق دینِ اسلام میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے روئے زمیں کو اللہ کے نُور سے منوّر کردیا۔

فتحِ مکہ کے اسباب

صلحِ حدیبیہ کی شرطوں کے ذکر میں آپ نے پڑھا کہ اس میں ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدو پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہوسکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہدو پیماں میں داخل ہونا چاہے، داخل ہوسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا وہ اُس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ جو کسی حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اُس فریق پر حملہ اور زیادتی تصوّر کی جائے گی۔
اِس دفعہ کے تحت بنی خزاعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدو پیمان میں داخل ہوگئے اور بنی بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے بے خطر ہوگئے کیونکہ ان دونوں قبیلوں میں عرصۂ دراز سے سخت عداوت اور مخالفت چلی آرہی تھی۔ جب اسلام کی آمد ہوئی اور

صلحِ حدیبیہ پر عمل درآمد شروع ہوا اور مسلمانوں کی جنگ سے کفارِ قریش اور دوسرے قبائل کو اطمینان ملا تو قبیلہ بنی بکر نے اِس موقع کو غنیمت سمجھ کر قبیلہ بنی خزاعہ سے پرانی عداوت کا بدلہ لینا چاہا اور اپنے حریف قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر بنی خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کرکے اُس کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کردیا۔ بے چارے بنی خزاعہ والے اِس ظالمانہ حملے کی تاب نہ لاسکے اور اپنی جان بچانے کے لیے حرمِ کعبہ میں بھاگے۔ بنی بکر کے عوام نے تو حرم میں تلوار چلانے سے اپنا ہاتھ روک لیا لیکن بنی بکر کا سردار نوفل جوشِ انتقام میں آپے سے اِس قدر باہر ہوچکا تھا کہ وہ حرم میں بھی بنی خزاعہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرتا رہا اور چلا چلا کر اپنی قوم کو للکارتا رہا کہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہیں آئیگا۔

اِس قتل وغارت گری میں کفارِ قریش نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اُس کے بعد بنی خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر فریاد کرنے کے لیے حضور کی بارگاہ میں مدینہ پہنچے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ بنی خزاعہ کے مظلوموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رجز کے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ:

"اے پروردگار! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ معاہدہ یاد

دلاتا ہوں جو ہمارے اور اُن کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہوچکا ہے۔آپ ہماری بھر پُور مدد کیجیے اور اللہ کے بندوں کو بلایئے کہ وہ سب اِمداد کے لیے آئیں کیونکہ اُن لوگوں نے رات کی تاریکی میں اچانک ہم لوگوں پر حملہ کر کے ہمارے لوگوں کو رکوع وسجدہ کی حالت میں بھی بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے"۔

بنی خزاعہ والوں کی فریادسُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ، میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس اپنا قاصد بھیجا اوران کے سامنے تین شرطیں پیش فرمائیں کہ اِن میں سے کوئی ایک شرط قریش منظور کرلیں۔

(۱) بنی خزاعہ کے مقتولوں کا "خُوں بہا" (خُون کا معاوضہ) دیا جائے۔

(۲) قریش قبیلۂ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہوجائیں۔

(۳) اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ چکا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے اِن شرطوں کو قریش کے سامنے

رکھا تو قُرطہ بن عبد عمرو نے قریش کے نمائندے کی حیثیت سے جواب دیا کہ نہ ہم مقتولوں کے خُون کا معاوضہ دیں گے اور نہ اپنے حلیف بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے ۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹُوٹ گیا۔

تجدیدِ معاہدہ کے لیے ابوسفیان کی کوشش

لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اِس جواب پر ندامت ہوئی ۔ چنانچہ کچھ رؤسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو سمجھ لو کہ یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اُوپر حملہ کر دیں گے۔ اُنہوں نے ابوسفیان پر دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کریں۔اُس کے بعد ابوسفیان بہت تیزی کے ساتھ مدینہ گئے اور پہلے اپنی لڑکی اُم المومنین بی بی حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچے لیکن بیٹی نے باپ کی خاطر خواہ پذیرائی نہ کی۔

ابوسفیان وہاں سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اُن سے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں۔ حضرت

صدیق اکبر نے انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے لیکن ابوسفیان کو وہاں بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس کے بعد وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ انہوں نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر کہا کہ "اے علی! میرے ساتھ تمہارا سب سے قریبی نسبی تعلق ہے۔ میں ایک ضرورت سے آیا ہوں اور نامراد واپس نہیں جانا چاہتا۔ تم میرے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سفارش کر دو۔" حضرت علیؓ نے فرمایا: "ابوسفیان! ہم لوگوں کی یہ مجال نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے اور ان کی مرضی میں کوئی مداخلت کر سکیں"۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ اے علی! چونکہ معاملہ بہت سنگین نظر آتا ہے اس لیے کوئی تدبیر بتاؤ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ میں اِس سلسلہ میں تمہیں کوئی مفید رائے تو نہیں دے سکتا لیکن چونکہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو اس لیے تم خود ہی لوگوں کے سامنے کہہ دو کہ میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے۔ اِس پر ابوسفیان نے کہا کہ کیا میرا اعلان کچھ مفید ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت علی نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ یک طرفہ اعلان کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا مگر اِس کے سوا اب تمہارے پاس کوئی چارا ہی کیا ہے؟ ابوسفیان نے وہاں سے آکر بلند آواز سے مسجد میں یہ اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے۔ مگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

غزوہ کی تیاری

اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرما دیا کہ جنگ کا سامان درست کریں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگی تیاریوں کے لیے حکم نامہ بھیج دیا لیکن کسی کو یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ جب حضرت صدیق اکبر اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے آئے تو جنگ کی تیاری دیکھ کر بیٹی سے پوچھا، "کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟" حضرت عائشہ نے کہا "واللہ مجھے یہ نہیں معلوم"۔

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی ۔ مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک چڑھائی کر دی جائے۔

اسلامی لشکر کی مکہ روانگی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ چھوڑ کر مکے کی طرف رُخ کیا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابۂ کرام تھے۔ مدینہ کی حفاظت اور سلامتی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ''مرالظہران'' پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ ہر مجاہد الگ الگ اپنا چولہا جلائے۔ اِس طرح دس ہزار مجاہدین نے جب الگ الگ چولہے جلائے تو ''مرالظہران'' کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

اُدھر صورتِ حال کی تحقیق کے لیے قریش نے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو جاسُوس بنا کر بھیجا۔ جب یہ تینوں ''مرالظہران'' کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے۔ یہ لوگ آپس میں اپنی حیرانی کا اظہار کر ہی رہے تھے کہ حضرت عباسؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اُن کی آواز پہچان لی اور ابوسفیان سے کہا کہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ اِس لیے اگر تم میرے پیچھے خچر پر بیٹھ جاؤ تو میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلتا ہوں اور تم لوگوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہوں۔ اِس طرح

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اِن تینوں کو ساتھ لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوگئے اور اُن لوگوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اِن سب کو امان دے دی ہے۔

ابوسفیان کا قبولِ اسلام

قریش کے قبائلی نظام کے تحت مذہبی امور بنی ہاشم سے اور دفاع، امورِ خارجہ اور تجارتی قافلوں کی حفاظت وغیرہ بنی اُمیہ سے متعلق تھے۔ ہجرت کے وقت ابوسفیان اس عہدے پر فائز تھے۔

جنگِ بدر سے کچھ پہلے جب یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان اُس تجارتی قافلہ کو لُوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں جو ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ کے قریب سے گذر رہا تھا تو ابوسفیان نے بکمالِ احتیاط قافلہ کو خطرہ کی زد سے نکال لیا۔ اس کے بعد قریش کے لئے جنگ کا جواز باقی نہ رہا۔ محض ابو جہل کے اصرار پر جنگِ بدر وقوع پذیر ہوئی۔

جنگِ بدر کے بعد ابوسفیان قریش کے رئیس تھے۔ اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ جنگِ اُحد میں وہی بحیثیت عہدہ فوج کے سربراہ تھے۔ جب جنگِ اُحد میں مسلمان مغلوب ہوگئے تو ابوسفیان نے

قریش کو لوٹ جانے کا حکم دیا۔ اگر وہ اس وقت مدینہ پر حملہ آور ہوتے تو مسلمانوں کو سخت ترین حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔

٦ھ میں جب رسولِ اکرم کا نامہ مبارک قیصرِ روم کو بھیجا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو اسے بلالاؤ۔ اس وقت ابوسفیان تجارتی قافلہ لائے ہوئے تھے۔ ان سے قیصرِ روم کی جو تفصیلی گفتگو ہوئی وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسولِ اکرم کے قدردان اور اسلام سے غیر معمولی متاثر تھے۔

٧ھ کے لگ بھگ ابوسفیان کی بیٹی اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہ کا نکاح رسولِ اکرم سے اس وقت ہوا جب کہ وہ حبشہ میں تھیں۔ نجاشی نے رسولِ اکرم کی طرف سے ان کا مہر ادا کیا۔

فتحِ مکہ کے بعد ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہوا اور اُس کے بعد ابوسفیان نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ پھر غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہوکر اُنہوں نے کفار سے جنگ بھی کی۔

اسلامی لشکر کے جاہ و جلال کے مظاہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کوکسی ایسے مقام پر کھڑا کردیں کہ جہاں سے وہ گزرنے والی خدائی فوج کا جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ تمام قبائل اپنے اپنے پرچم اٹھائے گزرتے رہے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے کہ یہ کون ہیں؟ جواب میں حضرت عباس اُس قبیلہ کا نام انہیں بتا دیتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سبز دستے کے جلو میں تشریف لائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے لشکر کے درمیان تھے۔اِس فوج کی شان وشوکت سے حیران ہوکر ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس ! یہ کون لوگ ہیں ؟انہوں نے بتایا کہ یہ انصار ہیں۔اِس بیچ ناگہاں انصار کے علم بردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے ابوسفیان کے قریب سے گذرے اور جب ابو سفیان کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ

"اے ابوسفیان! آج گھمسان کا دن ہے۔آج کعبہ میں خوں ریزی حلال کردی جائے گی۔"

ابوسفیان یہ سُن کر گھبرا گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! سُن لو۔ آج قریش کی ہلاکت تمہیں مبارک ہو۔ پھر جب ابوسفیان کو چین نہیں آیا تو انہوں نے پوچھا کہ ابھی تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں دیکھا کہ وہ کون سے لشکر میں ہیں۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ہمراہ نمودار ہوئے۔ ابوسفیان نے جب حضور کو دیکھا تو چلّا کر کہا کہ اے محمد! کیا آپ نے سُنا کہ سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں؟ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا؟ اس پر ابوسفیان بولے کہ انہوں نے کہا ہے کہ آج حرم میں خونریزی حلال کردی جائے گی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ آج تو حرم کی عظمت کا دن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے اتنی غلط بات کیسے کہہ دی اور پھر اُن کے ہاتھ سے پرچم لے کر اُن کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

فاتحِ مکہ کا پہلا فرمان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتح کی حیثیت سے مکہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا وہ یہ اعلان تھا کہ:

''جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُس کے لیے امان ہے۔ جو شخص

اپنا دروازہ بند کر لے گا اُس کے لیے امان ہے۔ جو کعبہ میں داخل ہوجائے گا اُس کے لیے امان ہے۔ جوابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اُس کے لیے امان ہے۔"

اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کرنے لگے کہ اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت غصہ اور طیش کی باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔ میں پورے اسلامی لشکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔ میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم لوگوں سے محمد کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ یہ خیریت ہے کہ انہوں نے اعلان کردیا ہے کہ جو ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے اس کے لیے امان ہے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کو بھی امان دے دی ہے جو اپنے دروازے بند کرلیں یا مسجدِ حرام میں داخل ہوجائیں یا ہتھیار ڈال دیں۔ ابوسفیان کا یہ بیان سُن کر کوئی ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا، کوئی مسجدِ حرام کی طرف بھاگا اور کوئی اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس طرح بغیر جنگ و جدل کے مکہ فتح ہوگیا۔

بیت اللہ میں داخلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ''مسجد الفتح'' کے قریب نصب کیا گیا۔ پھر حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اسامہ بن زید کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا کر مسجدِ حرام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے مسجدِ حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا، پھر کعبہ کا طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

تکمیلِ طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے خانۂ کعبہ کی کلید (کنجی) لی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خانۂ کعبہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو چند تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی تصاویر بھی تھیں اور اُن کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ ''خدا کی قسم اِن دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی دیکھی۔ اسے اپنے دستِ مبارک سے توڑ دیا اور تمام تصاویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مٹا دی گئیں۔ اس کے بعد آپؐ نے بیت اللہ کے اندرونی حصے کا چکر لگایا اور تمام گوشوں میں تکبیر و توحید کے کلمات کہنے کے بعد دروازہ کھول دیا اور باہر تشریف لے آئے۔

شہنشاہِ رسالتؐ کا دربارِ عام

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حرم'' میں پہلا دربارِ عام منعقد فرمایا جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے خواص و عام کا ایک زبردست اژدہام تھا۔ اِس موقع پر آپ نے صرف اہلِ مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اقوامِ عالم سے خطاب فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور سارے جتھوں کو شکست دی۔ اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا۔ سارے لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُرآنِ کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ مُتقی ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے''۔

اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور دیکھا

کہ سر جھکائے اور نگاہیں نیچی کئے ہوئے قریش کے اشراف کھڑے ہوئے ہیں۔اُن میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو بارہا آپ کے اُوپر پتھروں کی بارش کر چکے تھے۔وہ خونخوار بھی تھے جنہوں نے آپ کے اُوپر بار بار قاتلانہ حملے کئے تھے۔وہ بے رحم اور بے درد بھی جنہوں نے آپ کے دندانِ مبارک شہید اور چہرۂ انور کو لہو لہان کر ڈالا تھا۔وہ سفاک اور درندہ صفت بھی تھے جو آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹ چکے تھے۔اِسی مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کی ناک ،کان کاٹنے والے، اُن کی آنکھیں پھوڑنے والے اور اُن کا جگر چبانے والے بھی موجود تھے۔ اِسی مجمع میں وہ ستمگار بھی تھے جنہوں نے شمعِ رسالت کے پروانوں حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہم وغیرہ کو رسّیوں سے باندھ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹایا تھا۔ وہ سارے کے سارے دس بارہ ہزار مہاجرین و انصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کانپ رہے تھے۔ وہ اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتّوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کوّوں کو کھلادی جائیں گی اور انصار و مہاجرین کی فوجیں ہماری نسلوں کو نیست و نابود اور ہماری بستیوں کو

تہس نہس کر ڈالیں گی۔اِن مجرموں کے سینوں میں خوف و ہراس کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔اِس مایوسی اور ناامیدی کی خطرناک فضا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مجرموں سے پُوچھا ''بولو! تم کو کچھ معلوم ہے کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں''؟

اس سوال پر مشرکینِ قریش حواس باختہ ہوکر کانپ اُٹھے۔امید و بیم کی حالت میں لرزتے ہوئے سب ایک زبان ہوکر بولے کہ ''آپؐ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں''۔

پُورا مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سننے کے لیے آپ کا منہ تک رہاتھا کہ یکدم فاتحِ مکہ نے اپنے کریمانہ لہجہ میں ارشادفرمایا کہ لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْآ اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ ''آج تم پر کوئی الزام نہیں۔جاؤ! تم سب آزاد ہو''۔(زرقانی جلد دوم ص ۳۲۸)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں بیٹھ گئے۔حضرت علیؓ، جن کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کنجی (چابی) تھی، نے حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا کہ ہمارے لیے حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ ساتھ خانۂ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی عطا فرما دیجیے۔اللہ آپؐ پر رحمت نازل کرے۔ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے بھی گذارش کی تھی۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عثمان

بن طلحہ کہاں ہیں؟'' انہیں بلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عثمان لو! یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم لوگوں میں رہے گی۔ یہ کنجی تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا''۔

انصار کے اندیشے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کی تکمیل فرما چکے تو انصار یہ سوچ کر رنجیدہ ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر اور وطن بھی ہے اور جائے پیدائش بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں قیام فرمالیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اُٹھائے دُعا فرما رہے تھے۔ دُعا سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ اُنہوں نے پہلے تو تامل کیا پھر بتلا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی پناہ! اب تو میری زندگی اور موت تمہارے ہی ساتھ ہے۔

الوداعی آثار

جب دعوتِ دین مکمل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا) کی مہر لگادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات و احساسات اور گفتار و کردار سے ایسی

علامتیں نمودار ہونی شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس حیاتِ مُستعار کو اور اس جہانِ فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں۔

ماہ صفر گیارہ ہجری میں آپ دامنِ اُحد تشریف لے گئے اور شہدا کے لیے اُس طرح دُعا فرمائی کہ گویا زندوں اور مُردوں سے رخصت ہورہے ہیں۔ پھر واپس آکر منبر پر فروکش ہوئے اور فرمایا ''میں تمہارا امیر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اِس وقت اپنا حوض (حوضِ کوثر) دیکھ رہا ہوں اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا کے بارے میں نفس کی پیروی کا ارتکاب کروگے''۔

۲۹ر صفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں جنت البقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر سر میں درد محسوس کیا اور جسم کی حرارت تیز ہوگئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی حالت میں گیارہ روز نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جارہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقل ہوگئے۔ منتقلی کے وقت حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالبؓ کے درمیان ٹیک لگا

کر چل رہے تھے اور سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اِس کیفیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا بقیہ عرصہ وہیں گزارا۔

حضرت عائشہؓ مُعَوِّذات اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حفظ کی ہوئی دُعائیں پڑھتی رہتی تھیں۔

ایک دن ظہر کی نماز کے وقت مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کی مشکیں میرے اوپر ڈالی جائیں۔جب آپ غسل فرما چکے تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے بازو تھام کر آپ کو مسجد میں لائے۔نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں بہت سی وصیتیں اور احکام فرما کر انصار کے فضائل اوران کے حقوق کے بارے میں چند کلمات ارشاد فرمائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کیا اور فرمایا ”میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے اور اگر کسی کی آبرو پر حرف رکھا ہو تو میں حاضر ہوں، بدلہ لے لے“۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں ۔ایک شخص نے کہا کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس سے فرمایا ''انہیں ادا کردو''۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی اور فرمایا کہ ''میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہے مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحب احسان ابوبکر ہیں۔''

وفات سے چند روز قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں مبتلا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازیں خود ہی پڑھائیں لیکن عشا کی نماز کے وقت مرض کا زور اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا ''نہیں یا رسول اللہ! بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے لیے لگن میں پانی رکھو''۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اُٹھنا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی''؟ ہم نے کہا، ''نہیں یا

رسول اللہ! بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کررہے ہیں"۔ اس کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ وہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی ۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

گھر میں سات دینار تھے۔آپ نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم ان دیناروں کو لاؤ تاکہ میں ان کو خدا کی راہ میں خرچ کردوں۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ نے ان دیناروں کو تقسیم کرادیااور اپنے گھر میں ایک ذرّہ بھر بھی سونا یا چاندی نہیں چھوڑا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرما دیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے روز مسلمان نمازِ فجر میں مصروف تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام پر، جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے، نظر ڈالی ۔ پھر تبسّم فرمایا۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ ایڑی کے بل پیچھے ہٹے کہ صف میں جاملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور حضرت

ابوبکر کی امامت میں نماز ادا کی۔ دن چڑھے چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حُسین رضی اللہ عنہما کو بھی بلاکر چوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواجِ مطہرات کو بلایا اور انہیں کچھ نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد نزع کی حالت شروع ہوگئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر سہارا دے کر ٹیک لیا۔ انؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میری گود میں وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○

یہ واقعہ ۱۲/ربیع الاوّل ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو پیش آیا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً تریسٹھ برس ہوچکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بہ اتفاق صحابہ منتخب کیا گیا۔

تجہیز و تکفین

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین آپ کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت علی، حضرت عباس، ان کے دو صاحبزادے

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مل جُل کر آپ کو غسل دیا۔ غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کے جو ''سحول'' گاؤں کے بنے ہوئے تھے، کفن بنایا گیا۔ ان میں قمیض وعمامہ نہ تھے۔

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں صحابہ کرام کی مختلف رائے تھی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ کوئی نبی بھی نہیں اُٹھایا گیا بلکہ اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں سے اسے اٹھایا گیا۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بستر اُٹھایا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا اور اُسی کے نیچے قبر کھودی گئی۔ قبر لحد (بغلی گڑھا) والی کھودی گئی۔

اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام نے حُجرہ شریف میں داخل ہوکر نمازِ جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ باری باری مردوں کے بعد عورتوں اور بچوں نے بھی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نمازِ جنازہ پڑھنے میں پورا دن گزر گیا اور چہارشنبہ بُدھ کی شب آگئی۔ اُسی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں آئی۔

ازواجِ مطہرات کے حالات

امہات المومنین (ازواجِ مطہرات) کی با عظمت، قابلِ احترام اور سراپا

مقدس زندگی کے بارے میں ہم ذیل میں اختصار سے تذکرہ کررہے ہیں۔ ازواجِ مطہرات کی پاکیزہ زندگی اور اخلاقی ضوابط سے ہم قاری کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی بے حد آراستہ تھی اور باری تعالیٰ کی رضا کے مطابق بسر ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواجی زندگی میں مساوات، انصاف اور رواداری کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا جس کی مثال تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ ذیل کی تحریر ازواجِ مطہرات کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کی معلومات اور علم وفہم میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام خدیجہ اور لقب طاہرہ تھا۔ آپ کے والد کا نام خویلد ابنِ اسد تھا جو مشہور تاجر تھے اور قریش میں معزز و نامور تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور جمالِ صورت و کمال سیرت کو دیکھ کر خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی رغبت ظاہر کی تھی۔ پھر باقاعدہ نکاح ہوگیا جس کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے انتہائی خوفناک اور خطرناک حالات میں

جس استقلال اور استقامت کے ساتھ خطرات و مصائب کا مقابلہ کیااور جس طرح تن، من اور دھن سے بارگاہِ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی اس وجہ سے تمام ازواجِ مطہرات پر ان کو ایک خصوصی افضلیت حاصل ہے۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سُنی تو انہیں غیرت آگئی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا فرمادی۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی۔ جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا تو اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی ۔جس وقت مجھے کوئی چیز دینے کے لیے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور ان ہی کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (زرقانی ۔جلد۳، ص۲۲۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ مجھے خدیجہ کے بارے میں غیرت آیا کرتی تھی حالانکہ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ غیرت کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ جب کوئی بکری

ذبح فرماتے تو کچھ گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھروں میں ضرور بھیج دیا کرتے۔اس سے میں چڑھ جایا کرتی تھی اور کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ دنیا میں بس ایک خدیجہ ہی تو آپؐ کی بیوی تھیں۔ آپ فرماتے ''ہاں ، ہاں ! بیشک وہ تھیں۔ ان ہی کے شکم سے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔'' (بخاری)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۲۵ رسال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری سے سرفراز رہیں۔ ہجرت سے تین برس قبل ماہِ رمضان میں مکہ معظمہ میں انہوں نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مشہور قبرستان حَجون (جنت المعلیٰ) میں خود بہ نفسِ نفیس ان کی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپردِ خاک کیا۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام زمعہ بن قیس تھا اور والدہ کا نام شموس تھا۔ یہ پہلے اپنے چچازاد سکران بن عمرو سے بیاہی گئی تھیں۔اسلام کے ابتدائی دور میں دعوتِ اسلام پر میاں بیوی دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔دونوں میاں بیوی نے کفارِ مکہ کے ظلم واستبداد کی بنا پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں حبشہ کے لیے ہجرت کیا۔جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی

یورش کم ہوئی تو دونوں مکہ واپس آ گئے۔مکہ آنے کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ان کے پاس ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ مغموم اور اُداس رہنے لگے تو حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ حضرت سودہ سے نکاح فرما لیں۔ حضرت خولہ نے ہی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد سے بات چیت کر کے نسبت طے کرا دی اور ۱۰ رسہ نبوی میں نکاح ہوگیا۔اُس وقت حضرت سودہ کی عمر ۵۰ برس تھی۔

حضرت سودہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آتے ہی اپنی لیاقت ،بُردباری، معاملہ فہمی اور خُوش اخلاقی سے وہ تمام انتظامی امور سنبھال لیے جن کا شیرازہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بکھر گیا تھا۔

حضرت سودہؓ نہایت عابد، پرہیزگار اور توکل پسند واقع ہوئی تھیں۔آپؓ کی سیر چشمی اور بے نفسی کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں درہم سے بھری ایک تھیلی حضرت سودہ کی خدمت میں بھیجی تو آپؓ نے اس خادم سے ،جو تھیلی لے کر کے آیا تھا، دریافت کیا کہ اس میں کیا ہے؟ ’’کیا کھجوریں ہیں‘‘؟ خادم نے عرض کیا ’’نہیں اُم المومنین ! اس میں درہم ہیں‘‘۔اس پر حضرت

سودہ نے فرمایا کہ کیا درہم کھجوروں کے تھیلے میں بھیجے جاتے ہیں؟ یہ کہہ کر وہ اٹھیں اور اسی وقت وہ تمام درہم مدینہ کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیے۔

حضرت سودہ کی بہت فضیلتیں ہیں کیونکہ آپ دیگر چند ازواجِ مطہرات کی طرح زمانۂ نبوت سے عہدِ وفات تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور ایسے ایسے زمانے دیکھے جنہیں دیکھنے کی بڑے بڑے صحابہ حسرت رکھتے تھے۔ خوش نصیب تھیں حضرت سودہ جنہیں تقریباً تیرہ برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا موقعہ نصیب ہوا۔

حضرت سودہ کی وفات ۱۹ھ میں ہوئی۔ وہ مدینہ میں مدفون ہیں۔ یہ دور حضرت عمرؓ کی خلافت کا آخری دَور تھا۔ خلیفۂ وقت اکثر احادیث و واقعات کی تفصیل دریافت کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اس لیے کہ آپؓ کی ذکاوتِ خداداد نے آپؓ کو بہت سی احادیثِ نبوی کا حافظہ بنا دیا تھا۔ کتب احادیث میں آپ سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ صحیح بخاری میں ایک اور سنن اربعہ میں چار۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے والد اور اُمِ رومان زینب آپ

کی والدہ ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا نکاح شوال ۱۰ نبوت مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی شوال ۱ھ میں مدینہ منوّرہ میں ہوئی۔ ازواجِ مطہرات میں یہی کنواری اور محبوب ترین بیوی تھیں۔ نو برس تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز رہیں۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی۔ مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ بسترِ نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی میرے اوپر وحی الٰہی اُترتی رہتی ہے۔ (بخاری)

آپ بچپن سے ہی غیر معمولی ذہانت کی مالک تھیں۔ معاملہ فہمی آپؓ کا وصف تھا۔ خدا داد صلاحیت اور سلیقہ شعاری آپؓ کا مزاج تھا جس کی وجہ سے آپؓ کے والدین آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے اپنی خوش اخلاقی اور مدبّرانہ ذہانت کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے لیے خصوصی جگہ بنالی تھی۔

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے اُس وقت حضرت عائشہؓ صدیقہ کی عمر بہت کم تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کے سبب احادیثِ رسول پر بہت زیادہ عبور پالیا تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین

احادیث سے متعلق آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ صرف احادیث ہی نہیں بلکہ امورِ خلافت اور دیگر معاملات پر بھی صلاح و مشورے کیا کرتے تھے۔ آپ کو یہ کمال حاصل تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل بھی آپؓ نہایت آسانی سے حل کردیا کرتی تھیں۔ صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین آپؓ کا بہت احترام کرتے تھے اور آپ کی رائے اور مشورے کے خلاف کوئی بھی اپنی رائے پیش نہیں کرتا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو آپ کے بھانجے تھے، اُن کا بیان ہے کہ فقہ کا علم، طِب کی معلومات اور عُمدہ اشعار کا حافظہ (موجودہ زمانہ میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہتر نہیں دیکھا۔ تمام مورّخین اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا عرصہ اگر نہ پایا ہوتا تو علمِ حدیث کا نصف حصہ ضائع ہوجاتا۔ آپؓ کے انہیں اوصاف کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ آپؓ کی ذات سے عقیدت رکھتے تھے اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے مگر حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی اوصاف کی بنا پر اُن کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔ اگر حضرت عائشہ نہ ہوتیں تو خواتین کے خصوصی مسائل کی صراحت نہ ہو پاتی اور مسلم معاشرہ کو بہت سی دشواریاں درپیش رہتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور فیاضی کے بارے میں حضرت عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کو ایک دن بڑی رقوم خیرات کرتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ اُن کے اپنے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔

آپ نے تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر پائی اور ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو مدینہ منوّرہ میں آپ کا وصال ہوا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہؓ کے والد امیرالمومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت زینب بنتِ مظعون رضی اللہ عنہا تھیں جو معروف صحابیہ ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی حضرت خُنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی شادی سے قبل ہی مسلمان ہوچکے تھے اور مکہ سے ہجرت کر کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ لیکن ان کے پہلے شوہر ایک جنگ میں زخمی

ہو کر مدینہ میں وفات پائی۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں۔ پھر ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔اس وقت حضرت حفصہ کی عمر ۲۲ر برس تھی۔

حضرت حفصہ بہت ہی شاندار ، بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون تھیں۔ حق گوئی ، حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا۔ اکثر روزہ دار رہا کرتی تھیں اور تلاوتِ قُرآن مجید اور دیگر عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ حضرت امیرالمومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں ان کی کسی سخت کلامی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری نہ ہو۔چنانچہ آپ بار بار ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے حفصہ ! تم کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کرلیا کرو۔خبردار ! کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا تقاضا نہ کرنا۔یاد رکھو! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض ہو گئے تو تم خدا کے غضب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔

وہ بہت بڑی عبادت گذار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں اور بقیہ حدیث کی دوسری کتابوں میں درج ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں کیونکہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں تعلیم کا چرچا عام تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اپنے دورِ خلافت میں قُرآنِ کریم کا نسخہ لکھوایا تو اس نسخہ کو حضرت حفصہ ہی کے پاس محفوظ کروایا۔ حضرت حفصہؓ عبادت میں ریاضت کی حد تک مشغول رہتی تھیں اور حددرجہ پرہیز گاری کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ بعض راویوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں وہ سب سے زیادہ عبادت گزار تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ گوشہ نشین ہوگئیں اور آپ نے لوگوں سے ملنا جلنا بہت ہی کم کردیا۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں حد درجہ اُنسیت ومحبت اور ایک دوسرے سے عقیدت بھی تھی، ویسی ہی جیسی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں دوستی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے ۴۱ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دوسری ازواجِ مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔

اُم المساکین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام خزیمہ بن حارث تھا۔ آپؓ کا لقب اُم المساکین ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں غرباء و مساکین کو آپ بکثرت کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ کی پہلی شادی طفیل سے، دوسری شادی عبیدہ سے اور تیسری

شادی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ جب وہ جنگِ اُحد میں شہادت سے سرفراز ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد صرف دو یا تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ ماں کی طرف سے حضرت ام المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ یہ بھی جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات کی قبروں کے پاس دفن ہوئیں۔

اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا

آپؓ کا نام ''ہند'' اور کنیت ''اُمِ سلمہ'' تھی۔ یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد کا نام ''حُذیفہ'' اور بعض مورّخین کے نزدیک ''سہیل'' ہے۔ لیکن اس پر تمام مورّخین متفق ہیں کہ والدہ کا نام ''عاتکہ بنتِ عامر'' ہے۔ ان کی پہلی شادی حضرت ابو سلمہ عبداللہ سے ہوئی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلانِ نبوت کے بعد جلد ہی دامنِ اسلام میں آگئے تھے اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ کئی سال حبشہ میں رہنے کے بعد یہ دونوں میاں بیوی مکہ واپس چلے آئے۔ حضور اکرم نے جب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا تو یہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ کے سفر

کے ارادہ سے قافلے کے ساتھ جاملیں۔ لیکن ان کے قبیلہ بنومغیرہ نے اُمِ سلمٰہ کو جانے کی اجازت نہیں دی اور بزور طاقت ان کو روکا۔ آخر کار ان کے شوہر ابوسلمہ عبداللہ اپنے بچوں کو لے کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس جدائی کا اُمِ سلمہ پر بہت گہرا اثر ہوا۔ صبح ہوتے ہی وہ گھر سے نکل جاتیں اور کسی سنسان ٹیلے پر بیٹھ کر شام تک روتی رہتیں اور سورج غروب ہونے سے قبل گھر واپس آتیں۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ آخر کار ایک سال کے بعد آپؓ کے خاندان والوں نے انہیں اپنے بچوں اور شوہر کے پاس مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت اُمِ سلمہؓ مدینہ آکر اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہنے لگیں۔ آپؓ کے شوہر ابوسلمہ عبداللہ ایک جنگ میں شہید ہوگئے۔ اب اُمِ سلمہؓ بے سہارا ہوگئی تھیں۔ ایک طرف بچوں کی پرورش اور ان کی کفالت کا مسئلہ ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور دوسری جانب اپنے شوہر کی محبت۔ یہ تمام باتیں ان کے دماغ پر بوجھ بن کر رہ گئیں۔

آپؓ کی سیرت اور حسنِ اخلاق دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کی معرفت اُمِ سلمہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ اُمِ سلمہ نے جواب میں کہا کہ میں بے سہارا ہوں اور میرے چار بچے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بچوں کا کفیل ہوں۔ اس طرح اُمِ سلمہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔

حضرت اُمِ سلمہ نے تقریباً ۸۴ برس کی عمر پائی۔ ازواجِ مطہرات میں آپؓ نے سب سے زیادہ عمر پائی تھی اور تمام امہات المومنین کے بعد آپؓ کا انتقال ہوا۔ بہت سی حدیثیں آپؓ سے مروی ہیں۔ واقعہ کربلا آپؓ کی حیات میں پیش آیا۔ آپؓ کے جنازے میں بہت سے صحابہ اور تابعین شریک تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؓ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔

اُم المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت اُمیہ بنتِ عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا تھا۔ لیکن یہ شادی کامیاب نہ ہوئی اور ایک دن زید بن حارث نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس واقعہ سے فطری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ نازک پر صدمہ گذرا۔ چنانچہ جب عدت گذر گئی تو محض حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ برس کی تھی۔

روایت ہے کہ یہ پیغامِ بشارت سُن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو رکعت نماز ادا کی اور سجدے میں سر رکھ کر یہ دُعا مانگی کہ خداوند کریم! تیرے رسول نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔اگر میں تیرے نزدیک ان کی زوجیت میں داخل ہونے کے لائق عورت ہوں تو یا اللہ! تو ان سے میرا نکاح فرمادے۔ان کی یہ دُعا قبول ہوئی اور حضور نے حضرت زینب کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

یہاں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ متبنیٰ (گود لیے لڑکے) کو حقیقی اولاد میں شمار کیا جاتا تھا۔ حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی عقیدت کا یہ عالم دیکھا تو انہیں آزاد کر دیا اور اپنا بیٹا بنالیا۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑے فخر سے کہا کرتی تھیں کہ میرے نکاح کا فیصلہ باری تعالیٰ نے خود کیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح پر جتنی بڑی دعوتِ ولیمہ فرمائی اتنی بڑی دعوتِ ولیمہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کے موقع پر نہیں فرمائی۔

حضرت زینبؓ بڑی سخی، فیاض اور فہم و فراست کی مالکہ تھیں ۔آپؓ کے مزاج میں رحم دلی اور ہمدردی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔آپؓ اپنے ہاتھ سے دستکاری کا کام کرتی تھیں اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی تھی وہ محلے کے

یتیم بچوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ امہات المومنین کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سے جس کے ہاتھ زیادہ دراز ہوں گے وہی مجھ سے جلد ملے گا۔ اس بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس حدیث کو سُن کر تمام ازواجِ مطہرات اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ سخی اور فیاض ہوگی اُسے میری قُربت حاصل رہے گی۔ یہ وصف حضرت زینبؓ کو سب سے زیادہ حاصل تھا۔ وہ اپنے دستِ مبارک سے محنت کرتی تھیں اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اسے اپنی ذات پر اور باقی غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتی تھیں ۔ آپؓ ہمیشہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع اور فرماں بردار رہیں۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے آپؓ کا سالانہ وظیفہ ان کے پاس بھیجا جسے حضرت زینبؓ نے اسی وقت غربا اور مساکین میں تقسیم کروا دیا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ ایک ہزار درہم لے کر خود حضرت زینبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درہم آپؓ کی خدمت میں رکھ دیے۔

حضرت زینب نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جا اور تمام درہم غربا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔ حضرت عائشہ ان کی شان میں فرمایا کرتی تھیں

کہ زینب ہی ہیں جو بارگاہِ رسالتؐ میں میری منزلت میں برابر تھیں۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔

اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپؓ کا اصل نام ''برہ'' (نکوکار) تھا لیکن چونکہ اس نام سے بزرگی اور بڑائی کا اظہار ہوتا تھا اس لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل کر'' جویریہ''(چھوٹی لڑکی) رکھ دیا۔ یہ قبیلہ مُصطلق کے سردارِ اعظم حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔'' غزوۂ مُریسیع'' میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکر قیدی بنائے گئے تھے اُن ہی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ نبی کریم نے جب مالِ غنیمت کو صحابہ میں تقسیم کیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔انہوں نے حضرت جویریہ سے مکاتبت کرلی۔ یعنی یہ لکھ دیا کہ تم مجھے اتنی رقم دے دو تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا

کہ یا رسول اللہ ! میں اپنے قبیلہ کے سردارِ اعظم حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں۔ مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ اس لیے آپ اس وقت میری مالی امداد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم اس کو منظور کر لوگی؟ انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ اس سے بہتر میرے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مکاتبت کی رقم میں خُود تمہاری طرف سے ادا کردوں اور پھر تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کرلوں تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز اور وقار برقرار رہ جائے۔ یہ سُن کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادمانی کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کرلیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبت کی رقم ادا فرما کر اور حضرت جویریہ کو آزاد کر کے انہیں ازواجِ مطہرات میں شامل فرما لیا اور وہ اُم المومنین کے اعزاز سے سرفراز ہو گئیں۔

جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا ہے تو تمام مجاہدین ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما لیا اس خاندان کا کوئی فرد غلام یا لونڈی نہیں رہ سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مُصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہوگئی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے دو بھائی عبداللہ بن حارث اور عمرو بن حارث اور ایک بہن عمرہ بنتِ حارث تھے ۔ یہ تینوں بھی مسلمان ہوکر صحابی کے شرف سے سر بلند ہوئے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن حارث کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بہت ہی تعجب خیز بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ یہ اپنی قوم کے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بہت سے اونٹ اور مال و اسباب لے کر مدینہ آئے۔ راستے میں دو اونٹ جو بہت اچھے تھے، اُن کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا۔ باقی مال و اسباب لے کر مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے میری بہن کو قید کر رکھا ہے ۔ مجھ سے فدیہ لے کر اس کو آزاد کر دیجئے اور میرے حوالے کر دیجئے ۔ یہ کہہ کر وہ تمام مال و اسباب، جو وہ لے کر آئے تھے، رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اونٹ کہاں ہیں اور وہ لونڈی کدھر گئی جن کو تم گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو؟ یہ سُن کر عبداللہ بن حارث

حیرت میں مبتلا ہوگئے کہ ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو اونٹ چھپانے کی اطلاع کہاں سے ملی۔ دفعتاً عبداللہ بن حارث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ صادق ہونے کا یقین ہوگیا اور اسی وقت اسلام قبول کرلیا اور کہا کہ واللہ! آپ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے نبی ہیں کیونکہ ان اونٹوں کو چھپانے کا علم میرے اور اللہ کے سوا کسی اور کو نہ تھا۔

عبداللہ بن حارث جب مسلمان ہوئے اور انہیں معلوم ہوا کہ ان کی بہن کے اُم المومنین ہونے کی وجہ سے اب ان کا مرتبہ اور بھی بلند ہوگیا ہے تو وہ اتنی تاخیر سے ایمان لانے پر افسوس کرنے لگے۔اس وقت عبداللہ بن حارث بہت خوش تھے۔انہوں نے اپنی بہن حضرت جویریہؓ سے ملاقات کی اور چند روز قیام کرکے خوشی خوشی اپنے گھر کو لوٹ گئے۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ نہایت عابد، زاہد اور پرہیزگار تھیں۔ نمازِ پنجگانہ کے علاوہ کثیر تعداد میں نوافل پڑھتیں، استغفار میں زیادہ وقت گزارتی تھیں اور حالتِ بیداری میں بہت کم مصلّٰی سے جُدا ہوتی تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سات حدیثیں بھی روایت کی ہیں جن میں سے دوحدیثیں بخاری شریف میں اور دو حدیثیں مسلم شریف میں ہیں۔ ۵۰ھ میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام "رملہ" اور کنیت اُمِ حبیبہؓ ہے۔ یہ سردارِ مکہ ابوسفیان کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنتِ ابو العاص بن اُمیہ ہے جو حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ یہ پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں ۔ میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کرلیا تھااور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش پر ایسی بدنصیبی سوار ہوئی کہ وہ اسلام ترک کر کے نصرانی ہوگیااور شراب پیتے پیتے نصرانیت پر ہی مرگیا۔مگر حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا استقامت کے ساتھ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

اس واقعہ کی خبر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا۔ حضرت اُمِ حبیبہ کا صبر و استقلال، دینِ محمدیؐ سے عقیدت و محبت اور ان کی بے بسی کے تقاضے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُمِ حبیبہ کا مرتبہ بلند کردیا اور ایسا مسئلہ کھڑا کردیا جس کا حل ضروری تھا ۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنا خط دے کر بادشاہ نجاشی کے پاس حبشہ روانہ کیا اور خط میں نجاشی کو لکھا کہ اگر اُمِ حبیبہ میرے نکاح میں آنے کے لیے رضا مند ہوں تو تم وکیل بن کر میرا نکاح اُمِ حبیبہ کے ساتھ کردو۔

نجاشی کے پاس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا تو نجاشی تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہو گئے اور اپنی ایک لونڈی کو حضرت اُمِ حبیبہ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ حضرت اُمِ حبیبہ سے ادب کے ساتھ مخاطب ہوئی اور عرض کیا کہ بادشاہ نے مجھے آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کا تذکرہ آپؓ سے کروں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ نجاشی کو لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خط میں حبشہ کے شاہ سے مخاطب ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ آپ اپنی رضا مندی کا اظہار کریں۔ یہ الفاظ سُن کر حضرت اُمِ حبیبہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور اپنی رضا مندی دیتے ہوئے اس لونڈی سے فرمایا کہ تُو نے یہ پیغام لا کر کے مجھے خوش کیا، اللہ تجھے خوش رکھے۔ انہوں نے پیغام سُن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شکرانہ میں اپنا تمام زیور جو جسم پر تھا، اس لونڈی کو عطا فرما دیا اور حضرت خالد بن سعید کو جو اُن کے ماموں کے لڑکے تھے، اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا۔ نجاشی نے اپنے شاہی محل میں نکاح کی مجلس منعقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے، اس مجلس میں بلایا۔ نجاشی نے خود ہی خطبہ پڑھ کر سب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بی بی اُمِ حبیبہؓ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنے پاس سے مہر ادا کیا۔

نجاشی کی جانب سے جُملہ حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔ اس طرح حضرت اُمِ حبیبہ اُم المومنین کے لقب سے سرفراز ہوئیں۔

ام المومنین حضرت امِ حبیبہؓ نے ۴۴ھ میں مدینے میں وفات پائی اور آپؓ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام زینب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صفیہ رکھ دیا۔ یہ قبیلۂ بنو نضیر کے سردارِ اعظم حُییٰ بن اخطب کی بیٹی ہیں۔ ان کی ماں کا نام برّہ تھا۔ خیبر کے تمام یہودی قبائل حُییٰ بن اخطب کا بے حد احترام کرتے تھے اور قبیلے میں اُن کا شمار بلند مرتبہ شخصیت کے طور پر ہوتا تھا۔

جب خیبر فتح ہوا تو حضرت صفیہ بھی یہودی قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئیں۔ جب اسیرانِ جنگ اکٹھا جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی لے لو۔ اُنہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ لیکن ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضرت صفیہ بنو قریظہ اور بنو قیصر کی شہزادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرمالیں۔ پھر اس سے یہودیوں اور

مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں دوسری لونڈی عطا فرما دی۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا۔

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے بہت محبت رکھتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ خیبر سے مدینہ آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو دیکھنے آئیں۔ حضرت صفیہ نے اپنے جھمکے، جو بہت ہی بیش قیمت اور جواہرات سے جڑے ہوئے تھے، ان کی نذر کیے اور جتنی سہیلیاں حضرت فاطمہ کے ساتھ آئی تھیں ان کو بھی ایک ایک چیز عنایت فرمائی۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں۔ جب آپؐ نے اُن سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے کہا ہے کہ ہم دونوں دربارِ رسالت میں تم سے زیادہ عزت دار ہیں کیونکہ ہمارا خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صفیہ! تم نے اُن دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیوں کر ہو سکتی ہو؟ حضرت

ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ میرے شوہر ہیں۔(زرقانی)

ان کا انتقال رمضان ۵۰ ھ میں ہوا۔یہ بھی مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں سپردِ خاک کی گئیں۔

اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام الحارث تھا۔یہ پہلے ابو رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔شادی کے کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا۔اس کے بعد آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ان کی چار حقیقی بہنیں تھیں۔مقامِ 'سرف' میں ان کا انتقال ہوا اور وہ اسی چھپر کی جگہ میں دفن ہوئیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی قربت سے سرفراز فرمایا تھا۔

حضورؐ کی عادات و خصائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بے حد سادہ تھی۔ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کرتے تھے۔چادر اور تہہ بند کے علاوہ اور کپڑا نہ پہنتے تھے۔سر پر عمامہ باندھنا بے حد پسند کرتے تھے۔خوراک کی سادگی کا تو یہ عالم تھا کہ اکثر کھجوروں پر اکتفا کرلیتے تھے۔ایک بار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں بادام کے ستو پیش کئے گئے تو یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ یہ امیروں کی غذا ہے۔ ہر لقمہ لینے پر بسم اللہ کہتے۔ احباب کو کوئی چیز پلاتے تو خود آخر میں پیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زندگی اس طرح گزارنی چاہیے جیسے کوئی مسافر گزارتا ہے۔ "میری مثال اُس مسافر کی طرح ہے جو تھوڑی دیر سائے میں آرام کرے اور اپنی راہ لے"۔

آپؐ صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ خُود اپنے ہاتھوں سے اپنے مکان میں جھاڑُو دیتے تھے۔ پھٹے پُرانے کپڑے خُود ٹھیک کر لیتے تھے۔ گھر کے کاموں میں ہمیشہ اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ بکریوں کا دُودھ دوہ لیتے تھے۔ بازار سے سودا لے آتے تھے۔ اُونٹوں کو باندھ کر اُن کے آگے چارہ ڈال دیتے تھے۔ مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتے اور مُسلمانوں کے ساتھ مل کر مسجدیں تعمیر کرتے تھے۔ کھانا کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھوتے اور منہ کو خُوب صاف رکھتے۔ مسواک کرتے۔ بالوں میں کنگھی کیا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سادہ زندگی سے بہت مُطمئن تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دُشمنی، عداوت، انتقام اور سخت گیری کے ناپاک جذبات سے پاک تھا۔ سچائی' دیانتداری اور الطاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جُزو تھے۔ مزاج میں بے حد انکساری تھی۔ کوئی بھی

تعظیم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوتا تو اُسے منع کر دیتے۔ خواہ کوئی غُلام بھی بُلاتا تو اس کے پاس بھی ضرور جاتے۔ جب کوئی شخص بات کر رہا ہوتا تو بالکل دخل نہ دیتے۔ اگر کچھ کہنا بھی ہوتا تو بہت حلم اور عاجزی کے ساتھ کہتے۔ لوگوں کی باتوں کو در گذر کر کے اُنہیں معاف کر دیتے۔ سب کو سلام کہتے تھے اور لُطف کی بات تو یہ ہے کہ سلام کہنے میں پہل کرتے تھے۔(آج کے مُسلمان کے پاس شاید سلام کا جواب دینے کا بھی وقت نہیں ہے)۔

مہمان نواز تھے۔ یہاں تک کہ اپنا کھانا بھی مہمان کو کھلا دیتے تھے۔ خُود تکلیف اُٹھا کر اور بھُوکا رہ کر دُوسروں کی ضرورت کو پورا کر کے تسکین حاصل کرتے تھے۔ مال و دولت بالکل جمع نہ کرتے تھے۔ بلکہ جب تک مال تقسیم نہ کر دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہ آتا تھا۔ غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی امداد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غُلاموں کے حقوق آقاؤں سے منوائے اور عورتوں کے حُقوق مردوں سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کے گدّے پر مُشتمل تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ٹاٹ کا بستر بھی استعمال کرتے تھے۔ زمین پر چٹائی بچھا کر بھی لیٹنے کا معمول تھا جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے جسم پر چٹائی کے نشان پڑ جاتے۔ ایک بار حضرت عُمر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پُوچھا۔ حضرت عُمر کا جواب سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"عُمر کیا تُم اس بات پر خوش نہیں کہ وہ لوگ دُنیا لے جائیں اور ہمیں آخرت نصیب ہو"۔

آپ الگ الگ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ میز اور کُرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے حق میں نہیں تھے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کانچ، تانبے اور لکڑی کے برتن استعمال کرتے تھے۔

بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر اُن کے لئے دُعا فرماتے۔ بچوں کو گود میں لے لیتے اور اُن کے نام تجویز کرتے تھے۔ ایک معصوم بچے کو پیار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ بچے خُدا کے باغ کے پھُول ہیں"۔

آپ ہمیشہ بیماروں کی عیادت کو جاتے اور سرہانے بیٹھ کر اُن کا حال

پوچھتے۔ بیمار کے سینے اور پیٹ پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے۔ بیمار کوئی چیز طلب کرتا اور اگر وہ نقصان دہ نہ ہوتی تو بازار سے لا کر دیتے۔ جب کسی کا انتقال ہوجاتا تو اُس کے جنازے کے ساتھ جاتے۔ سفید کپڑوں میں اچھا کفن پہنانے کی تاکید کرتے۔ گھر والوں سے ہمدردی کا اظہار فرما کر صبر کی تلقین فرماتے۔ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ خُود پڑھاتے۔ کوئی جنازہ گزرتا، خواہ کسی غیر مسلم کا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت شیریں زبان اور مخلص تھے۔ انسان کا تو ذکر کیا، جانوروں پر بھی رحم فرماتے تھے۔ اپنی پوری زندگی میں نہ کسی کو بدُعا دی اور نہ کسی سے بدلہ لیا۔ خداوند کریم کی بخشش اور رحمت پر پورا اعتقاد رکھتے۔ چنانچہ غارِ ثور میں، جب حضرت ابوبکر نے تعاقب کرنے والے دشمنوں کی آہٹ سُن کر خوف کا اظہار کیا اور کہا کہ "ہم دو ہیں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں کہا کہ "نہیں! ہم تین ہیں۔ یعنی ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک جُملے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی پختگی اور کردار کی بلندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ وہ کردار ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

جوشِ کردار سے بنتی ہے خُدا کی آواز

آپؐ کا اصل پیغام

آپ کی سب سے اہم تعلیم ہے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"۔ یہی کلمۂ اسلام کی بنیاد ہے اور یہی توحید ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خُودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ　　خُودی ہے تیغ، فساں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پانچ ارکان قائم کیے:

توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

توحید

یعنی یہ عقیدہ کہ اللہ ایک ہے۔کوئی اس کا شریک نہیں ،نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں اور نہ احکام میں۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔اس عقیدے کا زبان و دل سے اقرار کئے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

نماز

پہلی عبادت جو ہر عاقل اور بالغ مسلمان کے اوپر ہر حالت میں فرض ہے۔

روزہ

یعنی دوسری عبادت جو ہر عاقل ،بالغ، مقیم اور صحت مند مسلمان پر رمضان کے پورے مہینے رکھنا فرض ہے۔

حج

یہ بھی عبادت ہے جو زندگی میں صرف ایک بار ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو راستے کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کی طاقت اور حاجتِ اصلیہ کے علاوہ اتنا مال رکھتا ہو کہ بہ آسانی سفرِ حج کے اخراجات اُٹھا سکے۔

زکوٰۃ

یہ مالی عبادت ہے ۔یعنی اللہ کے لیے مال کے ایک مقررہ حصے کو ان ابواب پر جو شریعت نے مقرر کئے ہیں، خرچ کرنا۔ یہ ہر صاحبِ نصاب یعنی مالدار مسلمان پر فرض ہے۔

ارشاداتِ نبوی

قرآنِ پاک ایک جامع ضابطہ حیات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں کو راہِ ہدایت قُرآن اور سُنّت سے ملتی ہے۔ سُنّت سے مُراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال جو صحابہ نے محفوظ کئے ہیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاداتِ عالیہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ اُنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا اندازہ ہوسکے۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

☆ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھو۔

☆ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

☆ سب تعریف و توصیف اللہ کے لیے ہے۔ میں اُسی کی تعریف کرتا ہوں اور اُسی سے مدد چاہتا ہوں ۔

☆ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ' وہ اکیلا ہے اور کوئی اُس کا شریک نہیں۔

☆ اللہ بھی اُس پر بے حد رحم کرتا ہے جو اُس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔

☆ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

☆ دُنیا میں رہنے والوں کے ساتھ مہربانی برتا کرو۔ اللہ تُم پر مہرباں ہوگا۔

☆ قیامت کے روز میرے لئے سب سے عزیز وہ شخص ہوگا جو اچھے اخلاق والا ہوگا۔

☆ جو شخص یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتا ہے اُس کو وہی درجہ ملتا ہے جو اللہ کی راہ میں ایثار کرنے والے، ساری رات تہجد پڑھنے والے اور ساری عمر روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔

☆ سلام کا جواب دو اور بُری باتوں سے باز آؤ۔

☆ تُم دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ تب ہی تمہارا ایمان ٹھیک ہوسکتا ہے۔

☆ ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی خلقت کو آرام پہنچانا ہے۔

☆ کسی کی ضرورت کو پُورا کردینا تمام عُمر اللہ کی عبادت کے برابر ہے۔

☆ تمہاری جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

☆ ماں باپ کی نافرمانی پر جنت حرام کردی گئی ہے۔

☆ جس نے اپنی زبان اور خواہشاتِ نفسانی کو اسیر کرلیا، میں اُس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔

☆ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

☆ علم حاصل کرنے کے لئے تمہیں چین بھی جانا پڑے تو جاؤ۔

☆ جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ اللہ کی راہ پر چلتا ہے جب تک وہ واپس نہ آجائے۔

☆ علم مومن کی گمشدہ دولت ہے۔

☆ کہو تو اچھی بات کہو، ورنہ خاموش رہو۔ اپنے ہمسائے کو مت ستاؤ اور مہمان کا احترام کرو۔

☆ تمہارا ہمسایہ امداد مانگے، امداد دو۔ قرض مانگے، قرض دو۔ جب وُہ بیمار ہوجائے اُس کی مزاج پُرسی کرو۔ جب وہ فوت ہوجائے تو اُس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔

☆ اگر تمہارا ہمسایہ کھانے کو محتاج ہے تو اُسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلو۔

☆ بھُوکے کا پیٹ بھرو، بیمار کی عیادت کرو اور غُلام کو آزاد کردو۔

☆ بیمار کی عیادت کے لئے جاؤ خواہ وہ تمہاری بیماری میں عیادت کرنے نہ آیا ہو۔

☆ اسلام کے نزدیک بہترین عمل یہ ہے کہ بھُوکے کو کھانا کھلاؤ اور جن لوگون کو تم جانتے ہو اور جن لوگوں کو نہیں جانتے اُن سب کو تپاک اور گرم جوشی سے سلام کرو۔

☆ شک سے بچو کیونکہ شک سے زیادہ بُری کوئی بات نہیں ہوتی۔

☆ جو شخص دُوسروں کے عیبوں کو ڈھونڈے گا اللہ اُس کے عُیوب کا پردہ فاش کرے گا۔

☆ تُم میں سے اگر کوئی بُری بات دیکھے تو اپنے ہاتھ سے دُرست کر دے۔

☆ دو جھگڑا کرنے والوں کے اختلاف کو دُور کرنا، کارِ خیر ہے۔ مسجد کی جانب جو قدم اُٹھے، کارِ خیر ہے۔ اپنے بھائی کے رُوبرُو مُسکرا دینا، کارِ خیر ہے۔

☆ جو شخص دُوسروں کو طاقت سے زیر کرسکتا ہے اُسے طاقتور نہ کہو۔ طاقتور تو وہ ہے جو غُصّہ پر قابُو پاتا ہے۔

☆ جو شخص انسان کا احسان نہیں مانتا وہ اللہ کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

☆ جو بڑوں کی تعظیم اور بچوں پر شفقت و محبت نہیں کرتا وہ میری اُمت میں نہیں۔

☆ جھگڑا کرنے والا انسان اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔

☆ وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جس کے ماں باپ زندہ ہوں اور وہ اُن کی خدمت نہ کرے۔

☆ رشتہ داروں کے حُقوق ادا نہ کرنے والا اللہ کی رحمتوں سے سرفراز نہ ہوگا۔

☆ کسی کا خُون بہانا اور کسی کو بے آبرو کرنا مُسلمانوں پر حرام ہے۔

☆ راستہ میں کوئی ایسی چیز مت پھینکو جس سے راہ گیر کو تکلیف ہو۔

☆ مزدُور کو مزدُوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

☆ کسی گورے کو کسی کالے پر فوقیت حاصل نہیں۔

☆ سب انسان برابر ہیں اور اُن کے حُقوق برابر ہیں۔

☆ ایسے شخص کو جو بدی کی زندگی بسر کرتا ہے اُس کو نماز بھی نہیں بچا سکتی۔

☆ اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ نیک سلُوک کرو۔

☆ تُم میں اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے اچھا ہے۔

☆ جو لُقمہ بیوی کے مُنہہ میں ڈالوگے اُس کا ثواب بھی تُم کو ملے گا۔

☆ بیوی کی کوئی خامی دیکھ کر اُس سے نفرت نہ کرو بلکہ یہ محسُوس کرو کہ اُس میں کوئی نہ کوئی خُوبی بھی موجُود ہے۔

☆ اپنی حیثیت کے مُطابق بیوی کو کھلاؤ اور پہناؤ۔

☆ ہر اچھی بات صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف اُٹھایا جائے' صدقہ ہے۔

☆ اللہ تعالٰی تمہاری شکل اور تمہاری دولت نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے کاموں اور تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

☆ ہر ایک نیک کام خیرات ہے۔ کسی کو نیک کام کی ہدایت کرنا بھی خیرات ہے۔

☆ اندھے کی مدد کرنا، بھولے بھٹکے کو راستہ دکھانا اور راستے سے کانٹے اور پتھر ہٹا دینا یہ سب نیک کام ہیں۔

☆ میرے آقا (اللہ تعالیٰ) میری جان اور کائنات کی ہر شے کے مالک ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

☆ اے مُسلمانو! یاد رکھو! ایک بھائی کو دُوسرے بھائی کی عزت کرنا لازمی ہے۔ پرائے مال پر نگاہ رکھنا حرام ہے۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔

☆ عورتوں کے ساتھ ہمیشہ نیک برتاؤ کرو اور کسی پر کسی قسم کا ظُلم نہ کرو۔

☆ اللہ ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اُسی کے قبضے میں سب کُچھ ہے اور وہی قادرِ مُطلق ہے۔

☆ جو چیز اولاد کے لئے بازار سے لاؤ سب سے پہلے لڑکی کو دو۔

☆ ایسا اشارہ کرنا بھی حرام ہے جس سے دُوسروں کو تکلیف پہنچے۔

☆ کچھ پروا نہیں اگر تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ مگر ان چار چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔

(۱)راست گفتاری (۲) دیانتداری (۳) خوش خلقی (۴) حلال کی کمائی۔

☆ خادم کا قصور دن میں ستّر بار معاف کرو۔

☆ ارحم ترحم۔ یعنی رحم کرو تا کہ تُجھ پر رحم کیا جائے۔

☆ تخلقو با اخلاق الله۔ یعنی اپنے اندر خُدائی صفات پیدا کرو۔

☆ نماز دین کا ستون ہے۔

☆ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

اگر تُم چھ کاموں کا ذمہ لے لو تو میں تمہیں جنت میں داخل کرانے کی ضمانت لے سکتا ہوں:

(۱) جب کبھی بولو، سچ بولو۔

(۲) جب کبھی وعدہ کرو، پُورا کرو۔

(۳) اگر کوئی شئے تمہیں بطور امانت دی گئی ہے تو امانت کی شرائط کے پابند رہو۔

(۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

(۵) جسے دیکھنا ممنُوع ہو اس کے رُوبرو آنکھیں بند کرلو۔

(۶) جب کبھی تمہیں ہدایت کی جائے کہ کسی شئے سے ہاتھ ہٹالو' تو ضرور ہٹالو۔

''میرے پروردگار نے مُجھے ۹ باتوں کی ہدایت کی ہے:

(۱) اللہ سے خلوت و جلوت میں ڈرنا۔

(۲) غُصّہ اور خُوشی کے عالم میں مُنصفانہ بات کہنا۔

(۳) کنگالی اور خُوشحالی دونوں میں درمیانی راہ اختیار کرنا۔

(۴) اُس شخص کے تئیں اپنا فرض ادا کرنا جس نے تعلقات قطع کر لیے ہیں۔

(۵) اُس شخص کی ضرورت کے وقت مدد کرنا جس نے آڑے وقت میں مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(۶) جس نے نُقصان پہنچایا ہے' اُسے معاف کر دینا۔

(۷) خاموشی کے وقت غور و فکر کرنا اور جب بولنا تو اللہ کی یاد میں بولنا۔

(۸) کسی شئے پر اگر نگاہ جمانا تو مثال حاصل کرنے کے لیے۔

(۹) لوگوں کو باہم انصاف کی ہدایت کرنا''۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسلک کی وضاحت فرمائیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ آپ کی شخصیت کی مکمل طور پر آئینے دار ہے۔

☆ عرفان میرا سرمایہ ہے۔

☆ عقل میرے دین کی اصل ہے۔

☆ محبت میری بنیاد ہے۔

☆ شوق میری سواری ہے۔

☆ ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے۔

☆ اعتقاد میرا خزانہ ہے۔

☆ دُکھ میرا رفیق ہے۔

☆ علم میرا ہتھیار ہے۔

☆ صبر میرا لباس ہے۔

☆ خدا کی رضا میرے لیے غنیمت ہے۔

☆ عاجزی میرے لیے وجہِ اعزاز ہے۔

☆ زہد میرا پیشہ ہے۔

☆ یقین میری طاقت ہے۔

☆ صدق میری سفارش ہے۔

☆ طاعت میرا بچاؤ ہے۔

☆ جہاد میرا کردار ہے۔

☆ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

چند متفرق واقعات

ایک شخص نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے کو پیار کر رہے ہیں تو کہا ''میرے دس بچے ہیں، آج تک میں نے اُن میں سے کسی کو بھی پیار نہیں کیا''۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص پر نظر ڈالی اور کہا ''جو رحم نہیں کرتا وہ رحم سے محروم رہتا ہے''۔

جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور شام کو جب اُن کی عبادت کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔

ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم احتراماً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنازہ

خواہ مُسلمان کا ہو یا غیر مُسلم کا، ہمیں احتراماً کھڑے ہو جانا چاہیے"۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مدد کر اپنے بھائی کی خواہ وہ ظالم ہو یا مظلُوم۔ ایک صحابی نے پُوچھا یا رسول اللہ! مظلُوم کی مدد تو میں کرسکتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تُم ظالم کو ظلم کرنے سے روک دو، یہی اُس کی مدد ہے"۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور گھر چلے آئے۔ آپ کی صاجزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو دھویا اور رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جانِ پدر رونا نہیں۔ اللہ تمہارے والد کے ساتھ ہے"۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کے کہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گندگی ڈالی گئی۔ یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جس ذاتِ اقدس نے نورِ حق کی مشعل سے ساری کائنات کو منوّر کیا، اُنہیں صلہ کس طرح دیا گیا۔ اُنہیں کانٹوں پر لٹایا گیا۔ گندگی اور غلاظت پھینک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذّیت پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ بوجھ تلے دبا کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹ کر یہ

تصوّر کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی وحدت کی تبلیغ اور پیغامِ حق سے لوگوں کے دلوں کو منوّر کرنے سے باز آجائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام مصائب کو برداشت کرتے ہوئے اپنے مشن پر گامزن رہے۔

کانٹوں سے جس کی تواضع کی گئی وہ لگاتار پھول برساتا رہا۔

گندگی جس کے اُوپر ڈالی گئی وہ معاشرے پر مُسلسل مُشک وعنبر چھڑکتا رہا۔

جس پر بوجھ ڈالا گیا وہ انسانیت کے کندھوں سے باطل کے بوجھ کو متواتر اُتارتا رہا۔

جس کی گردن دبا کر نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی وہ تہذیب کی گردن کو رسُوم کے پھندوں سے نجات دلاتا رہا۔

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اُس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں کی آپؐ سے محبت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ گفتگو اور محبت آمیز برتاؤ نے عوام کے دلوں کو جیت لیا جس کی بنا پر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرنے لگے۔ چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

انس جو انصار میں سے تھے' ان کے ساتھ ایک سفر میں حریرہ بن عبداللہ بھی ہمسفر تھے۔ سفر کے دوران حریرہ بن عبداللہ انس کی خدمت کرتے رہے۔ جب انس نے روکنا چاہا تو حریرہ بن عبداللہ نے جواب دیا کہ میں آپ کی خدمت اس لئے کرتا ہوں کہ آپ انصار میں سے ہیں اور جب سے میں نے انصار کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا ہے اُس دن سے میں نے قسم کھالی ہے کہ جب کوئی انصار مجھے ملے گا تو میں اُس کی خدمت کروں گا۔

ایک خاتون جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت مند تھی' اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ میں نے یہ چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول فرمالیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کی عقیدت کو دیکھ کر چادر قبول کرلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر کی ضرورت بھی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ چادر بطورِ تہہ بند پہن کر باہر تشریف لائے تو ایک شخص نے کہا کہ "یا رسوُل اللہ ! یہ چادر بہت اچھی ہے ۔آپ مجھے دے دیں"۔ گھر واپس جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اُس شخص کو بھیج دی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ تُو نے اچھا نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس

عورت کی محبت دیکھ کر یہ چادر قبول فرمائی تھی اور ضرورت کی بنا پر اُس کو پہنا تھا۔ پھر بھی تو نے مانگ لی اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اُس آدمی نے جواب دیا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ چادر اپنے پہننے کے لئے نہیں مانگی۔ میں نے تو اس لیے مانگی ہے کہ جب میں فوت ہوجاؤں تو یہی چادر میرا کفن بنے۔ ایک راوی کہتا ہے کہ جب اُس شخص کا انتقال ہوا تو وہی چادر اُس کا کفن بنی۔

حدیبیہ کی بات چیت کے موقعہ پر عُروہ بن مسعُود جب قریش کے سفیر کی حیثیت سے مدینہ آئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم وضُو کرتے تو لوگ دوڑ کر اُن کے وضُو کے پانی کو زمین پر گرنے سے قبل ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اُس پانی کو بطورِ تبرک اپنے جسم پر ملتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کی ایسی ہی والہانہ محبت سے متاثر ہوکر ایک شاعر نے کیا حقیقت پیش کی ہے :

ظُلم و ستم سے اور نہ تلوار سے ہُوا
اسلام کا عُروج تیرے پیار سے ہُوا

انسانیّت حضورؐ کی احسان مند ہے
انساں بلند آپؐ کے کردار سے ہوا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کردار اور اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باعمل زندگی کا ضامن اور تسخیری قوت کا حامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور کردار کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف دوستوں سے محبت کی بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک فرمایا اور اُن سے بھی انتقام لینے کے بجائے محبت کی وہ شمع روشن کی جس کی مثال دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

خداوند کریم رب العالمین ہے، صرف ربُّ المسلمین نہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، صرف رحمۃ للمسلمین نہیں۔ قُرآنِ پاک ذکر العالمین ہے، صرف ذکر المسلمین نہیں۔ اور کتاب اللہ کی تفسیر، پیغمبرؐ کی سیرت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پُوچھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ''قُرآنِ ناطق'' تھے۔ یعنی منہ سے بولتا ہوا قُرآن تھے۔

دین، دھرم، ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ایشور کی پہچان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مکھڑے سے سورج شرمائے اور زلفوں سے رات کے سائے
روپ تیرا قُرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خداوند کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے، جو گمراہ ہوچکی تھی، مامُور کیا۔ انسانی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ایک بلند و بالا مینار کی ہے۔ انسان اپنے رہنمائے کامل کی جُستجو میں جس طرف بھی نگاہ ڈالے آپؐ ہی آپؐ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کے لیے ہادیِ اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بلند مقام پر فائز کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور اعمال واقوال کی حفاظت کا سروسامان بھی کردیا۔ اگر ابتدائے آفرینش سے اب تک انسان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہر شعبۂ حیات پر محیط ہیں۔ وہ ساری اعلےٰ اور عُمدہ قدریں اور تمام اعلےٰ خوبیاں، جن کو آج متمدن دنیا اہمیت دیتی ہے، حضوؐر کے لائے ہوئے انقلاب کے نتائج ہیں۔ چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی؟ اعتقادات کو توہمّات سے پاک کرکے انسانیت کو ظلمت کے غاروں سے کس نے نکالا؟

سائنس میں فطرت کی پرستش کے بجائے فطرت کو تسخیر کرنے کا سبق کس نے دیا؟

سیاسیات میں نسلی شہنشاہیت کے بجائے عوامی اور جمہوری حکومت کا راستہ کس نے دکھایا؟

علم کی دُنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت شناسی کی طرح کس نے ڈالی؟

سماج کی تنظیم کے لیے ظلم کے بجائے عدل و انصاف کی بنیاد کس نے رکھی؟

ان سب سوالوں کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جن کی طرف اجتماعی طور پر ان سارے انقلاب آفریں کارنامون کو منسوب کیا جا سکے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تمام نوعِ انسانی کے رہنما اور ہادی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رحمت کا پیغام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کسی ایک مُلک یا ایک قوم کے لیے باعثِ رحمت نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے ہے، تمام عالم کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے، زمان و مکاں کے قیود سے بالاتر۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی زندہ ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زندہ ہیں، آپ کی ہدایات زندہ ہیں۔ جو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ ہو بہو اور لفظ بہ لفظ اسی طرح آج بھی موجود ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور اقوال سب کے سب محفوظ ہیں۔ ان میں آج تک نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہی انشاء اللہ ہوگی۔ آج جب ہم قرآنِ پاک کی تلاوت اور احادیث کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمام انسانیت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ "تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونۂ عمل ہیں۔" (سورۃ الاحزاب، آیۃ ۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ میں واحد شخص ہیں جو اپنی زندگی میں ہی اپنے ہمہ جہت مشن میں کامیاب ہوئے۔

آفتابِ حق کی ایک جھلک

اب میں اُن لوگوں کے الفاظ میں آفتابِ حق کی ایک جھلک پیش کرتا ہوں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کو پاک اور قلب کو منور کیا۔

عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں :

"میں نے جُونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو فوراً سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔"

ابوہریرہ فرماتے ہیں :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے گویا آفتاب نکل آیا ہے"۔

ایک اور روایت ہے :

"تم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو سمجھتے کہ سُورج طلوع ہوگیا ہے"۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں چمکدار تھیں۔ دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعُوب ہوجاتا"۔

ہند بن ابی ہالہ فرماتے ہیں :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ صاف اور چمکدار تھا۔ چہرے پر چاند کی سی چمک تھی"۔

عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ:

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا''۔

ایک بار عمر بن عبسہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے جن کے جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے:

سوال : اسلام کی اخلاقی حیثیت کیا ہے؟

جواب : پاکیزہ گفتار اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

سوال : ایمان کیا ہے؟

جواب : صبر اور سخاوت۔

سوال : کس کا اسلام افضل ہے

جواب : جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرا انسان محفوظ رہے۔

سوال : کیسا ایمان افضل ہے؟

جواب : جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے۔

سوال : کیسی نماز افضل ہے؟

جواب : جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے۔

سوال : کس کا جہاد افضل ہے؟

جواب : جس کا گھوڑا بھی میدان میں مارا جائے اور خود بھی شہادت پا جائے۔

سوال : کون سی گھڑی عبادت کے لیے سب سے بہتر ہے۔

جواب : رات کا پچھلا پہر۔

یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جس مسلمان کا قلب عشقِ محمدیؐ (رسولِ اکرم سے عقیدت) سے معمور نہیں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خُدا کا رسوؐل بس

جس مسلمان کا ایمان ابراہیم کا ایمان نہیں وہ بھی مسلمان کہلانے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

اقبال فرماتے ہیں کہ:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

جس مسلمان کا زاویۂ نگاہ الفقر فخری نہیں میری نگاہ میں وہ بھی مسلمان نہیں۔ جب حضوؐر سے پوچھا گیا کہ آپؐ کا عمل کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ''میرا عمل الفقر فخری ہے''۔

اور جس مسلمان کی رُوح، رُوحِ بلالی نہیں وہ بھی حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں۔

بابا نانک صاحب فرماتے ہیں کہ سچا مسلمان وہ ہے جو دیا بھاؤ کی مسجد بنائے، شردھا کو مصلّٰی اور حق کی کمائی کو قُرآن سمجھے۔ شرم کو سُنّت اور اچھے برتاؤ کو روزہ جانے۔

شاعرِ رسالت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

"میری آنکھ نے آپؐ سے زیادہ حسین انسان آج تک نہیں دیکھا اور آپؐ سے زیادہ باکمال بیٹا آج تک کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپؐ تمام عیبوں سے پاک ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آپؐ کی مرضی کی مطابق پیدا کیا ہو"۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں:

"کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف وتعریف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ صفاتِ خداوندی کی جھلک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جو ساری کائنات میں مُمتاز ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں ہر ملک اور ہر دور میں نبی بھیجے ہیں جن پر وحی نازل فرمائی۔ وُہ لفظی وحی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے قُرآن کی شکل میں کمال تک پہنچی اور وہ عملی ہدایت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی سیرت کے رُوپ میں جلوہ گر ہوئی۔ اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نُور عطا فرما کر انسان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہو اور اُس کی اطاعت کا حکم دیا ہو' اُس کو پیغمبر نہ تسلیم کرنے والا یا اُس سے مُنہ موڑنے والا بدنصیب بھی ہے اور نامُراد بھی۔

سیرت النبیؐ جو کہ قُرآنِ پاک کی تفسیر اور تشریح ہے' اُس سے ظاہر ہے کہ اس کے بغیر قُرآن پر صحیح عمل ممکن نہیں کیونکہ قُرآن اور محمدؐ دونوں ایک ہی مشن رکھتے تھے۔ قُرآن ہدایتوں کا ایک مجموعہ ہے اور سیرتِ پاک واقعات اور اعمال کا ایک مجموعہ ہے ۔

آ میں تجھے دکھاؤں سراپا رسوؐل کا
قُرآں کا لفظ لفظ ہے چہرہ رسوؐل کا

ہم پورے وثُوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت میں پُورا قُرآن جذب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک کی تمام تحریریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں پیوست کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا میں بھیجا۔ اس لیے دین کا سچا اور سیدھا راستہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قُرآنِ مجید کے سوا نہیں۔ اگر اسلام کا صحیح فہم انسان کو حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صُورت

صرف یہ ہے کہ وہ قُرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کو قُرآن سے سمجھے۔اِن دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا حقیقی معنوں میں اُس نے اسلام کو سمجھا۔ ورنہ فہمِ دین سے بھی محروم رہا اور ہدایت سے بھی۔

اختتام سے قبل صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ میں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی محبت اور عقیدت کے پھُول پیش کرنے کی ایک ادنےٰ سی کوشش کی ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو الفاظ میں بیان کرنا، سچ تو یہ ہے کہ ممکن ہی نہیں۔آپ کی عظمت اور شان بقول شاعر ؎

کوئی صدیق جیسا صاحبِ ایمان کیا ہوگا
عمر فاروق جیسا عادلِ ذیشان کیا ہوگا
سخاوت میں کوئی بھی ثانیِ عثمان کیا ہوگا
علی شیرِ خدا سا صاحبِ میدان کیا ہوگا
صحابہ کا یہ عالم ہے تو پھر سلطانؐ کیا ہوگا

اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قائدِ تمدّن ،محسنِ انسانیت اور ایک عظیم انسان کی حیثیت سے جانیں ، اُن کی سیرتِ پاک کو کتابوں کے صفحات سے نکال کر عملی زندگی کے اوراق پر رقم کریں اور اپنی زندگی میں سمو لیں تاکہ انسانیت زندہ رہے۔

آج دُنیا تباہی اور بربادی کے راستے پر گامزن ہے۔ انسان وحشی اور درندہ صفت بن چکا ہے۔ ہر طاقت ور کمزور کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ محبت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ نفرت کے انگاروں نے لوگوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کرڈالا ہے۔ ایٹم بموں کا خوف، توپوں کی گرج اور انسانیت کے خُون سے کھیلی جارہی ہولی کے المناک نظاروں نے انسان کا سکُون چھین کر اُس کا جینا دشوار کردیا ہے۔ اس تیرگی کے ماحول میں بھی اُجالے کی کوئی کرن اگر دکھائی دیتی ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے اُس پیغام میں پوشیدہ ہے جو تقریباً چودہ سو سال قبل انھوں نے پوری دنیا کو دیا تھا۔

"اے خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہوجاؤ"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی پیغام میں انسانیت کی بقا اور عالم کی نجات ہے۔

دل میرا جلوۂ نورِ رسوؐل
میرے گلہائے عقیدت ہوں قبول



نعتِ پاک

لے جائیں گے جب ہم کو حالات مدینے میں
کیا جانیے، کیا کر دیں جذبات مدینے میں

جب جھولیاں بھر بھر کے لاتے ہیں جہاں والے
ہم جا کے نہ کیوں مانگیں خیرات مدینے میں

سنتے ہیں کہ بنتی ہیں بگڑی ہوئی تقدیریں
راس آئیں گے ہم کو بھی دن رات مدینے میں

عشاق نہاتے ہیں سب عید مناتے ہیں
دن رات ہے رحمت کی برسات مدینے میں

ہر نخل مدینے کا لاتا ہے ثمر شیریں
جنت سے مشابہ ہیں باغات مدینے میں

اللہ نے دی مجھ کو توفیق اگر لانبہؔ
دن گذرے گا مکے میں اور رات مدینے میں

سُرجیت سنگھ لانبہؔ

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شخصیت اور سیرت میں ایک ایسی جاذبیت اور دل آویزی پائی جاتی ہے کہ جس کا اعتراف مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی، پارسی ہوں یا بدھ، ہندو ہوں یا سکھ بھی نے آپ ﷺ کے حضور گل ہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ غیر مسلموں کے ہاتھوں لکھی جانے والی سیکڑوں کتابوں میں سُر جیت سنگھ لانبہ کی تصنیف "**قرآن ناطق**" (محمد ﷺ) ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ دوسو صفحات پر مشتمل اس اعلیٰ درجے کی کتابِ سیرت پر اگر اس کے مصنف کا نام درج نہ ہو تو کسی کو گمان بھی نہیں گزر سکتا کہ یہ کسی غیر مسلم کی تصنیف ہے۔

مجھے سُر جیت سنگھ لانبہ سے متعدد مواقع پر ملاقات کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ محافلِ سیرت اور مجالسِ اقبال میں ان کی تقاریر کو جن حضرات نے پاکستان کے مختلف شہروں میں سنا ہے، وہ اس حقیقت کی شہادت پیش کریں گے کہ لانبہ صاحب ایک سچے عاشقِ رسولؐ اور پکے محبِ اقبال ہیں۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور اُردو اشعار کا ایسا برمحل استعمال کرتے ہیں کہ دل میں ایک سرور اور دماغ میں ایک فرحت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُردو زبان و ادب سے ان کی محبت لائقِ رشک ہے۔ وہ اچھا شعر کہنے کے ساتھ ساتھ اس سے خوب صورت نثر لکھنے کی بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ "**قرآن ناطق**" کے صفحات اس کا واضح ثبوت اور کامل دلیل ہیں۔

"**قرآن ناطق**" اُردو زبان میں سیرت کے موضوع پر ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ مصنف کا قلم از اول تا آخر عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود ان کے قلم سے محبت کا رس ٹپکتا ہے۔ عقیدت میں ڈوبا ہوا اسلوب، سادہ و پُر کار زبان، شیریں لہجہ، شگفتہ انداز، مستند حوالے اور دل و دماغ کو مسحور کر دینے والے قلم نے اس کتابِ سیرت کو اعجازِ فن کا نمونہ بنا دیا ہے۔ برصغیر کی جن نامور مسلم شخصیات نے اس کتاب پر اپنی تقریظات یا تاثرات لکھے ہیں، ان سے مصنف کی صلاحیت، لیاقت اور انسان دوستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک غیر مسلم مصنف کے ہاتھوں امت مسلمہ کو یہ گلدستۂ سیرت مبارک ہو۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈائریکٹر جنرل
دعوۃ اکیڈمی و شریعہ اکیڈ...
انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اس...



کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، سپلائرز کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان
فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک سپر مارکیٹ
فون: 2629724 2212991

ISBN: 978-969-8983-33-8

منتخب 112 استنباطی مضامین قرآن (بحوالہ آیات، سورۃ)

میں سے چند اہم عنوانات کی جھلکیاں

اسلام کا نظامِ اعتقادات ☆ اسلام کا نظامِ عبادات ☆ اسلام کا نظامِ نظافت ☆ اسلام میں سنت رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت وعظمت ☆ اسلام میں نظریہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حقیقت آمیز تجزیہ ☆ اسلام کا نظامِ امن ☆ قرآنی حقائق کا تاریخ سے موازنہ چہ معنی دارد؟ ☆ اسلام، عقل اور سائنس ☆ اسلام میں نظریہ رؤیتِ ہلال اور سائنسی استدلالات ☆ وحی رسالت اور وحی بمعنی الہام والقاء کے متعلق شرعی حقیقت ☆ اسلام کا نظامِ محنت ☆ اسلام کا نظامِ معیشت اور طبقاتی نظام (موازنہ) ☆ نظریاتی وتہذیبی اختلاف کے فکری نتائج ☆ اسلام میں حقوق نسواں ☆ عالمی معاشی وباء (سودی نظام) ☆ معاملات کے لین دین کا قانونی نظام ☆ بین المذاہب مکالمہ ☆ فرقہ واریت کی اُصولی بحث ☆ اسلام کا نظامِ عفت وپاکدامنی ☆ اسلام کا نظامِ میراث ☆ اسلام کا نظامِ تجارت اور اس کے رہنما اُصول ☆ احکامِ دین کا عملی وقانونی نفاذ ☆ عزیمت اور رخصت کا حکیمانہ اُسلوب ☆ وکالتِ باطلہ وصحیحہ ☆ اسلام میں نظامِ عدل وانصاف مع نظامِ شہادت ☆ حلال وحرام اور نظریہ شریعت ☆ مشروط امن معاہدے اور اسلام کی دفاعی وخارجہ پالیسی ☆ فلسفہ انقلابِ احوال ☆ جامعیت قرآن کی ہمہ جہتی حقیقت ☆ حکمت اور موعظہ حسنہ ☆ اسلام کا اخلاقی نظام ☆ اسلام کا نظامِ حکومت ☆ اختلاف رائے او رآزادی رائے ☆ نظریہ جہاد اور اس کی حکمت مع حدود وقیود ☆ عورت کی حکمرانی کے خلاف پہلی احتجاجی آواز ☆ قواعد واُصول وقتی نہیں ہوتے ☆ اسلام اور تربیت اولاد ☆ اسلام اور نظریہ تعلیم وفن ☆ ناموس رسالت ،آداب ،محبّت وعشق رسول ﷺ ☆ اسلام کا نظامِ طلاق ☆ اسلام اور سماجی خدمات ☆ اسلام اور حقوق العباد ☆ بیعت ،تزکیہ نفس اور اصلاحی حقائق ☆ شریعت وطریقت ☆ کونسی جماعت برحق ہے؟ ☆ آدابِ معاشرہ کے اخلاقیاتی پہلو ☆ تحقیقِ حالات کا شرعی نظام ☆ تقلیدِ محمود کی آسان فہم حقیقت ☆ اسلام اور باقی مذاہب کا تقابلی جائزہ ☆ باطنی اعتبار سے عذابِ الٰہی کی بدترین قسم ☆ نظامِ حدود وتعزیرات ☆ نظامِ فطرت کے خدائی اُصول اور عقلیات کے بے لگام گھوڑے ☆ بحر وبر میں سبب فساد کا تجزیہ برحق ☆ فلسفہ عزت وذلت وغیرہ